مشمولات

- **عرضِ احوال** — 3
  - یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں! — ایوب بیگ مرزا
- **بیانُ القُرآن** — 5
  - سورۃ الانعام (آیات ۱۲۲ تا ۱۴۴) — ڈاکٹر اسرار احمد
- **تذکرہ و تبصرہ** — 21
  - توبہ کی عظمت اور اس کی تاثیر اور موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام — ڈاکٹر اسرار احمد
- **دعوت و تحریک** — 55
  - ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا انقلابی فکر اور منہج — انجینئر نوید احمد
- **یادِ رہبر** — 64
  - ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔ ایک عہد ساز شخصیت — ڈاکٹر احسن جمیل
- **تعمیرِ سیرت** — 69
  - دعوت و تبلیغ — اصول اور اسلوب — عتیق الرحمٰن صدیقی
- **حسنِ معاشرت** — 80
  - اسلام: محنت کشوں کے حقوق کا ضامن — حافظ محمد زاہد
- **نقد و نظر** — 87
  - سرسید احمد خان — حافظ محمد زبیر

❁ ❁ ❁

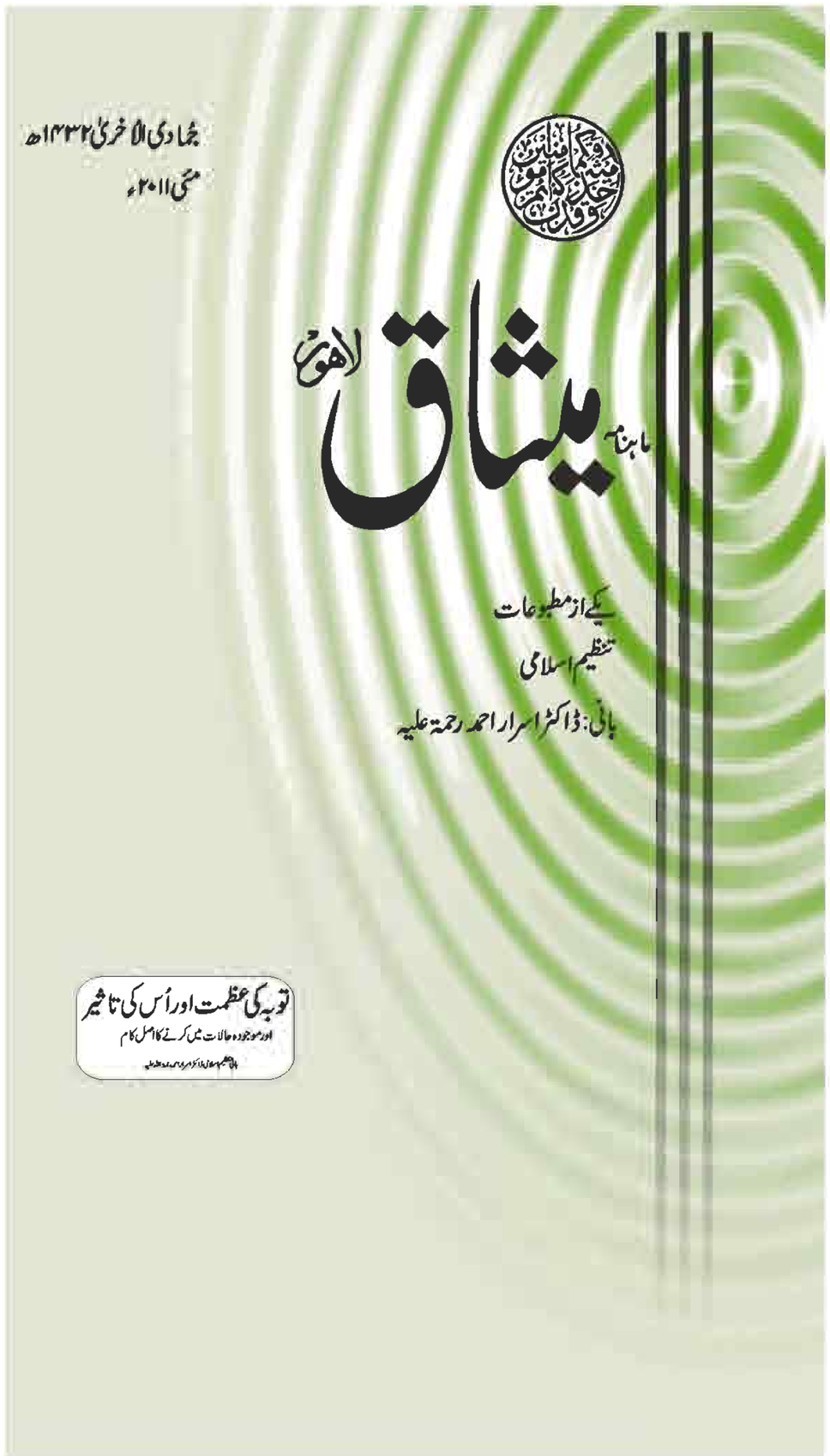

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں!

امریکہ اور پاکستان کے تعلقات کی کہانی بہت طویل ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تعلقات پاکستان کے دنیا کے نقشہ پر ابھرنے سے پہلے ہی قائم ہو گئے تھے تو کوئی ایسا غلط نہیں ہوگا۔ پاکستان کے قیام سے قبل غالباً ۱۹۴۶ء میں امریکی کانگریس کے ایک وفد نے ہندوستان کا دورہ کیا تھا جس کے دوران اُنہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے بھی ملاقات کی۔ قائداعظم نے وفد کو یقین دلایا کہ پاکستان خطے میں امریکی مفادات کا تحفظ کرے گا۔ بعدازاں لیاقت علی خاں‘ خواجہ ناظم الدین اور محمد علی بوگرہ کا امریکہ کی طرف دوستی کا رجحان تھا۔ اس کی ایک خصوصی وجہ نظریاتی کشمکش بھی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب کمیونزم کا علمبردار سوویت یونین عالمی سپر قوت کی حیثیت رکھتا تھا اور ہندوستان کے بہت قریب واقع تھا‘ جبکہ پاکستان کا تو اُسے ہمسایہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

آج کوئی مانے یا نہ مانے‘ پاکستان اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا تھا۔ دوقومی نظریہ کی توضیح اس سے بہتر نہیں ہو سکتی کہ ایک طرف اسلام ایک نظریہ تھا اور دوسری طرف غیر اسلامی اقوام تھیں‘ جبکہ سوویت یونین خالصتاً ایک بے خدا یعنی ملحد ریاست تھی۔ ہمیں سیکولر ریاست اور ملحد ریاست کا فرق سمجھنا ہوگا۔ سیکولر ریاست وہ ریاست ہے جس میں ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ اپنے ذاتی اور نجی معاملات کو اپنے مذہب کے مطابق طے کرے‘ البتہ Law of the land کا کسی بھی مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوگا‘ جبکہ ملحد ریاست میں مذہب ایک ممنوعہ شے ہے۔ لہٰذا ناقابل عبور بعد کی کیفیت میں دوستی کیسی قائم ہو سکتی تھی اور امریکہ اگرچہ ایک غیر مسلم ملک تھا لیکن وہاں کی آبادی کی عظیم اکثریت کا مذہب عیسائیت تھا‘ جو بہرحال مسخ شدہ ہی سہی لیکن ایک آسمانی مذہب تو تھا۔ لہٰذا ان دو سپر قوتوں میں سے پاکستان کا جھکاؤ سوویت یونین کی بجائے اگر امریکہ کی طرف ہوا تو وہ سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ علاوہ ازیں تقسیم شدہ بھارت میں عوام کی ایک اچھی خاصی تعداد کا رجحان کمیونزم یا الحاد کی طرف تھا اور پاک بھارت دشمنی‘ جسے بجا طور پر ازلی اور پیدائشی کہا جاتا ہے‘ اس کا تقاضا تھا کہ سوویت یونین اگر بھارت سے نتھی ہوا ہے تو پاکستان خود کو دوسری سپر قوت امریکہ سے جوڑ لے۔

اس بنیاد پر اور اس حد تک پاکستان کی خارجہ پالیسی قابل فہم تھی‘ لیکن امریکہ کے ساتھ ’سیٹو‘ اور ’سینٹو‘ جیسے معاہدات میں شامل ہو جانا اور سوویت یونین سے باقاعدہ دشمنی مول لے لینا پاکستان کے

حکمرانوں کی حماقتِ عظمیٰ تھی‘ جس کے نقصانات ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ بھارت نے بھی سوویت یونین سے بھرپور فوائد حاصل کیے لیکن اس نے امریکہ کو دشمن نہ بنایا۔ داخلی سطح پر بھی بھارت نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا اور اپنے ملک میں جاگیرداری نظام کا مکمل خاتمہ کر دیا‘ جبکہ پاکستان میں جاگیرداری نظام مزید پھلا پھولا‘ جس کا نقد نتیجہ یہ نکلا کہ حکمرانوں کا عوام کے ساتھ براہِ راست رابطہ ختم ہو گیا۔ نو سال تک ریاست کو کوئی آئین نہ دیا جا سکا۔ یعنی پاکستان ایک ایسا جسد تھا جس کا نہ کوئی سر تھا نہ چہرہ۔ لہٰذا حکمرانوں کے استحکام اور بقا کا انحصار نہ نظریہ پر رہا اور نہ عوامی ووٹ پر‘ بلکہ صرف اور صرف اُس سپر قوت یعنی امریکہ پر ہو گیا جس سے اقتصادی اور فوجی امداد ملتی تھی۔

مارشل لاؤں اور جھوٹی جمہوریتوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور امریکہ نے پاکستان کے اندرونی معاملات میں بے جا مداخلت شروع کر دی اور دوستانہ تعلقات اب باس اور ماتحت کی صورت اختیار کر گئے۔ نائن الیون نے صورت حال کو بدترین سطح پر پہنچا دیا۔ پرویز مشرف نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے امریکہ کی برادر اسلامی ملک افغانستان کے خلاف بدترین جارحیت کی نہ صرف حمایت کی بلکہ اُس کی افغانستان پر غاصبانہ قبضہ میں عملی مدد کی‘ اپنے مسلمان بھائیوں کا ناحق خون کیا اور ایک اسلام دشمن قوت کا اسلامی ریاست کے خاتمے میں دست و بازو بنا۔ امریکہ نے افغانستان کی جنگ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ قرار دیا۔ پھر صریحاً بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس جنگ کو پاکستان کی سرحدوں میں دھکیل دیا۔ ہم اپنے بتیس ہزار فوجیوں اور سویلین کے خون کا نذرانہ اس جنگ کی نذر کر چکے ہیں۔ اس جنگ میں کھربوں روپے خرچ کر کے پاکستان دیوالیہ ہونے کو ہے۔ اس جنگ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ہمارے حکمرانوں نے اپنی اقتصادی پالیسی سے عوام کا کچومر نکال دیا ہے۔ پاکستان سیاحوں کے لیے ’نو گو ایریا‘ بن چکا ہے۔ کوئی غیر ملکی کمپنی پاکستان میں سرمایہ کاری کے لیے تیار نہیں‘ جس سے بھوک اور بے روزگاری میں از حد اضافہ ہو چکا ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود امریکہ ہر روز ہمیں ’ڈو مور‘ کا پیغام دیتا ہے اور ڈرون حملوں سے شمالی اور جنوبی وزیرستان کے ہمارے مسلمان قبائلی بھائیوں کو خون کا غسل دے رہا ہے۔ امریکہ کے اس ظلم اور خونریزی کے خلاف پاکستانیوں میں امریکہ کے خلاف نفرت انتہا کو پہنچ گئی ہے۔

ہماری سیاسی قیادت تو مکمل طور پر مفلوج ہو چکی ہے اور اُس نے اس حوالہ سے لاتعلقی اختیار کر لی ہے اور تمام تر پالیسی عسکری قیادت ہی ترتیب دے رہی ہے‘ جس نے گزشتہ عشرہ میں قدم قدم پر امریکہ کا ساتھ دیا ہے۔ بزدل امریکیوں کا اصل مطالبہ یہ ہے کہ جانفروش طالبان کا مقابلہ کرنا تو اُن کے بس کی بات نہیں لیکن تم یعنی پاکستانی افواج افغان طالبان کو شکست دے کر فتح ہماری جھولی میں

(باقی صفحہ 96 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الانعام

آیات ۱۲۲ تا ۱۴۰

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ
مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ
وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ
نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ
رِسٰلَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا
كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ
وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي
السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا
صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ
السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ
يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا
اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ
مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ
وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ
يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى
اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ
وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ
بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ
لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ
فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾
وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ
وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ
يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ
الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ
حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا
يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾
وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ
وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾
قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ
افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع

آیت ۱۲۲ ﴿اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ﴾ ''بھلا جو کوئی تھا مُردہ' پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا''

اس سے معنوی حیات وممات مراد ہے' یعنی ایک شخص جو اللہ سے واقف نہیں تھا' صرف دُنیا کا بندہ بنا ہوا تھا' اس کی انسانیت درحقیقت مُردہ تھی' وہ حیوان کی حیثیت سے تو زندہ تھا لیکن بحیثیت انسان وہ مردہ تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان کی ہدایت دی تو اب گویا وہ زندہ ہو گیا۔

﴿وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ ''اور ہم نے اس کے لیے روشنی کر دی' اب اس کے ساتھ وہ چل رہا ہے لوگوں کے مابین' کیا وہ اُس شخص کی طرح ہو جائے گا جو اندھیروں میں (بھٹک رہا) ہو اور اس سے وہ نکلنے والا بھی نہ ہو۔''

﴿كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اسی طرح مزیّن کر دیا گیا ہے ان کافروں کے لیے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔''

مثال کے طور پر ایک وہ شخص تھا جسے پہلے ہوش نہیں تھا' کبھی اس نے نظریاتی معاملات کی پیچیدگیوں کی طرف توجّہ ہی نہیں کی تھی' لیکن پھر اس کو اللہ نے ہدایت دے دی' نورِ قرآن سے اس کے سینے کو منوّر کر دیا' اب وہ اس نور میں آگے بڑھا اور بڑھتا چلا گیا۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حق کی طرف متوجّہ ہونے میں چھ سال لگ گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی چھ سال بعد ایمان لائے۔ لیکن اب انہوں نے قرآن کو مشعلِ راہ بنایا اور اللہ کے راستے میں سرفروشی کی مثالیں پیش کیں۔ دوسری طرف وہ لوگ بھی تھے جو ساری عمر انہی اندھیروں میں ہی بھٹکتے رہے اور اسی حالت میں انہیں موت آئی۔ تو کیا یہ دونوں طرح کے لوگ برابر ہو سکتے ہیں؟

آیت ۱۲۳ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم کھڑے کیے تا کہ وہ اس میں خوب سازشیں کریں۔''

یہ وہی فلسفہ ہے جو قبل ازیں آیت ۱۱۲ میں بیان ہوا ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا کہ شیاطینِ اِنس وجن کو ہم خود ہی انبیاء کی دشمنی کے لیے مقرّر کرتے ہیں۔ یہاں پر اس سے ملتی جلتی بات کہی گئی کہ ہم ہر بستی کے اندر وہاں کے سرداروں اور بڑے بڑے چودھریوں کو ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ حق کے مقابلے میں کھڑے ہوں' لوگوں کو سیدھے راستے سے روکیں' اپنی چالبازیوں اور مکّاریوں سے حق پرستوں کو آزمائش میں ڈالیں تا کہ اس عمل سے صاحبِ صلاحیت لوگوں

کی صلاحیتیں مزید اُجاگر ہوں' ان کے جوہر کھلیں اور ان کی غیرت ایمانی کو جلا ملے۔

﴿وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ''حالانکہ وہ مکر نہیں کرتے مگر اپنی جانوں کے ساتھ' لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔''

انہیں یہ شعور ہی نہیں کہ ان کی چالبازیوں کا سارا وبال تو آخر خود انہی پر پڑے گا۔ جیسے حضرت یاسر اور حضرت سُمیّہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ ابوجہل نے جو کچھ کیا تھا اس کا وبال جب اس کے سامنے آئے گا تب اُس کی آنکھ کھلے گی اور اُس وقت تو یہ عالم ہو گا کہ ع ''جب آنکھ کھلی گُل کی تو موسم تھا خزاں کا!''

آیت ۱۲۴ ﴿وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ ''اور جب ان کے پاس (قرآن کی) کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہمیں بھی وہی چیز نہ دے دی جائے جو اللہ کے (دوسرے) رسولوں کو دی گئی تھی۔''

آیاتِ قرآنیہ مختلف انداز سے ان کے سامنے حقائق ورموز پیش کرتی ہیں مگر ان دلائل اور براہین کا تجزیہ کرنے اور انہیں مان لینے کے بجائے یہ لوگ پھر وہی بات دہراتے ہیں کہ جیسے پہلے انبیاء کی قوموں کو معجزے دکھائے گئے تھے ہمیں بھی ویسے ہی معجزات دکھائے جائیں تو تب ہم ایمان لائیں گے۔ اس سلسلے میں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق جیسے مناسب سمجھا ہر قوم اور امت کے ساتھ معاملہ فرمایا۔ پرانی امّتوں کو حسّی معجزے دکھائے گئے تھے' اس لیے کہ وہ نوعِ انسانیّت کا دورِ طفولیّت تھا۔ جب تک انسانیت کا مجموعی فہم وشعور حد بلوغت کو نہیں پہنچا تھا تب تک حسّی معجزات کا ظہور ہی مناسب تھا۔ جیسے بچے کو بہلانے کے لیے کھلونے دیے جاتے ہیں' لیکن شعور کی عمر کو پہنچ کر اس کے لیے عقل اور حکمت کی تعلیم ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا اب جبکہ بنی نوعِ انسان بحیثیت مجموعی سنجیدگی اور شعور کی عمر کو پہنچ چکی ہے' اس کو حسّی اور وقتی معجزوں کے بجائے ایک ایسا معجزہ دیا جا رہا ہے جو دائمی بھی ہے اور علم وحکمت کا منبع وشاہکار بھی۔

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ﴾ ''اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کا کام کس سے لے اور کس طرح لے!''

﴿سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا كَانُوْا

يَمْكُرُوْنَ﴿۱۲۳﴾ ''عنقریب پہنچے گی ان مجرموں (گنہگاروں) کو بہت ہی ذلّت اللہ کے ہاں سے اور سخت عذاب ان کی چال بازیوں کے سبب جو وہ کر رہے ہیں۔''

آیت ۱۲۵ ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ﴾ ''تو اللہ جس کسی کو ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔''

یہ ایک غور طلب معنوی حقیقت ہے۔ ''شرح صدر'' اللہ کی وہ نعمت اور خاص عنایت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانشراح کی پہلی آیت میں حضور ﷺ کے لیے ایک بہت بڑے احسان کے طور پر کیا ہے: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱﴾۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اس شرح صدر کے لیے دعا کرنی چاہیے: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِالْاِيْمَانِ وَاشْرَحْ صُدُوْرَنَا لِلْاِسْلَامِ ''اے اللہ! اے ہمارے ربّ! تو ہمارے دلوں کو نورِ ایمان سے منور فرما دے اور ہمارے سینوں کو اسلام کے لیے کھول دے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ایسی باطنی بصیرت مانگنی چاہیے جس کی وجہ سے اسلام کی ہر چیز ہمیں ٹھیک نظر آئے۔ اور جب ایک بندۂ مومن میں ایسی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے تو ہر قدم اور ہر موڑ پر اس کو اپنے اندر سے ایک آواز سنائی دیتی ہے جو اس کے ہر عمل پر اس کی تائید کرتی ہے۔ یہ انسان کی ایسی اندرونی کیفیت ہے جس میں اس کی فطرتِ سلیمہ اور نیکی کے جذبے کی آپس میں خوشگوار مطابقت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اسے دین کے کسی حکم سے کسی قسم کی کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ بقولِ غالبؔ:؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

﴿وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ﴾ ''اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اُس کے سینے کو بالکل تنگ کر دیتا ہے' گھٹا ہوا (وہ ایسے محسوس کرتا ہے) گویا اُسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہے۔''

جیسے اونچائی پر چڑھتے ہوئے انسان کی سانس پھول جاتی ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا دل شاید دھڑک دھڑک کر باہر ہی نکل آئے گا' ایسے ہی اگر اللہ کی طرف سے انسان کو ہدایت کی توفیق عطا نہ ہوئی ہو تو اس کے لیے راہِ حق پر چلنا دنیا کا مشکل ترین کام بن جاتا ہے۔ ذرا سی کہیں آزمائش آ جائے تو گویا اس کے لیے قیامت ٹوٹ پڑتی ہے اور ایک ایک قدم اٹھانا اس کے لیے دوبھر ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ شخص جس کو اللہ نے شرحِ صدر کی نعمت سے

نوازا ہے اس کے لیے نہ صرف حق کو قبول کرنا آسان ہوتا ہے بلکہ اس راہ کی ہر تکلیف اور ہر مشکل کو وہ شوق اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔

﴿كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴿۱۲۵﴾﴾ ''اس طرح اللہ ناپاکی مسلّط کر دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔''

آیت ۱۲۶ ﴿وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ﴿۱۲۶﴾﴾ ''اور یہ ہے تیرے رب کا سیدھا راستہ۔ ہم نے اپنی آیات خوب تفصیل سے بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہیں۔''

آیت ۱۲۷ ﴿لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۷﴾﴾ ''ان کے لیے سلامتی والا گھر ہے ان کے رب کے پاس اور وہی ان کا مددگار (دوست) ہے' بسبب ان کے (نیک) اعمال کے۔''

''دار السلام'' جنت کا دوسرا نام ہے۔ انہوں نے اپنی محنتوں' قربانیوں' مشقّتوں اور اپنے ایثار کے سبب اللہ کی دوستی کمائی ہے اور ہمیشہ کے لیے دار السلام کے مستحق ٹھہرے ہیں۔

آیت ۱۲۸ ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ﴾ ''اور جس دن وہ جمع کرے گا اُن سب کو (اور فرمائے گا) اے جِنّوں کی جماعت! واقعتاً تم نے تو انسانوں میں سے بہتوں کو ہتھیا لیا۔''

وہ جو تمہارے بڑے جن عزازیل نے کہا تھا: ﴿وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴿۱۷﴾﴾ (الاعراف) ''اور تو ان کی اکثریت کو شکر کرنے والا نہیں پائے گا''۔ تو واقعی بہت سے انسانوں کو تم نے ہتھیا لیا ہے۔ یہ گویا ایک طرح کی شاباش ہو گی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو دی جائے گی۔

﴿وَقَالَ اَوْلِيٰٓـُٔهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ﴾ ''اور انسانوں میں سے جو ان کے ساتھی ہوں گے وہ کہیں گے''

اس پر جِنّوں کے ساتھی انسانوں کی غیرت ذرا جاگے گی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہہ دیا ہے کہ جنات نے ہمیں ہتھیا لیا ہے' شکار کر لیا ہے۔ اس پر وہ بول اٹھیں گے:

﴿رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہم آپس میں ایک

دوسرے سے فائدہ اٹھاتے رہے‘‘

ہم ان سے اپنے کام نکلواتے رہے اور یہ ہم سے مفادات حاصل کرتے رہے۔ ہم نے جنّات کو اپنا موکّل بنایا‘ ان کے ذریعے سے غیب کی خبریں حاصل کیں اور کہانت کی دکانیں چمکائیں۔

﴿وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا﴾ ’’اور اب ہم اپنی اس مدت کو پہنچ چکے جو تُو نے ہمارے لیے مقرر کر دی تھی۔‘‘

﴿قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ ’’اللہ فرمائے گا اب آگ ہے تمہارا ٹھکانہ‘ تم اس میں ہمیشہ ہمیش رہو گے‘ سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔‘‘

﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ﴾ ’’یقیناً آپ کا ربّ حکیم اور علیم ہے۔‘‘

آیت ۱۲۹ ﴿وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ﴾ ’’اور اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنا دیتے ہیں اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے۔‘‘

آیت ۱۳۰ ﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ﴾ ’’اے جنّوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس نہیں آ گئے تھے رسول تمہی میں سے‘ جو سناتے تھے تمہیں میری آیات‘‘

اب چونکہ یہ بات جن وانس دونوں کو جمع کر کے کہی جا رہی ہے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو انسانوں میں سے رسول ہیں وہی جنات کے لیے بھی رسول ہیں۔

﴿وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا﴾ ’’اور تمہیں خبردار کرتے تھے تمہارے اس دن کی ملاقات سے۔ وہ کہیں گے کہ ہم گواہ ہیں اپنی جانوں پر‘‘

یہاں پر علٰی کے معنی مخالف گواہی کے ہیں۔ یعنی ہم اپنی جانوں کے خلاف خود گواہ ہیں۔

﴿وَغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ﴾ ’’اور انہیں دھوکے میں ڈالے رکھا دُنیوی زندگی نے‘ اور وہ خود گواہی دیں گے اپنے خلاف کہ وہ یقیناً کفر کی روش پر چلتے رہے۔‘‘

قرآن مجید میں میدانِ حشر کے جو مکالمات آئے ہیں وہ مختلف آیات میں مختلف قسم کے

ہیں۔ مثلاً یہاں تو بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے خلاف خود گواہی دیں گے کہ بے شک ہم کفر کرتے رہے ہیں۔ مگر اسی سورۃ میں پیچھے ہم نے پڑھا ہے: ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ﴾ ’’اُس وقت اُن کی کوئی چال نہیں چل سکے گی سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم تو مشرک نہیں تھے‘‘۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ میدانِ حشر میں بہت سے مراحل ہوں گے اور بے شمار گروہ مواخذے کے لیے پیش ہوں گے۔ یہ مختلف مراحل میں‘ مختلف مواقع پر‘ مختلف جماعتوں اور گروہوں کے ساتھ ہونے والے مختلف مکالمات نقل ہوئے ہیں۔

آیت ۱۳۱ ﴿ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ﴾ ’’یہ اس لیے کہ آپ کے ربّ کی یہ سُنّت نہیں ہے کہ وہ بستیوں کو برباد کر دے ظلم کے ساتھ جب کہ اس کے رہنے والے بے خبر ہوں۔‘‘

اس سے مراد یہ ہے کہ مختلف قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا اور انہوں نے اپنی قوموں میں رہ کر انذار‘ تذکیر اور تبشیر کا فرض ادا کر دیا۔ پھر بھی اگر اُس قوم نے قبولِ حق سے انکار کیا تو تب ان پر اللہ کا عذاب آیا۔ ایسا نہیں ہوتا کہ اچانک کسی بستی یا قوم پر عذاب ٹوٹ پڑا ہو‘ بلکہ اللہ نے سورۂ بنی اسرائیل میں یہ قاعدہ‘ کلیہ اس طرح بیان فرمایا ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ یعنی وہ عذابِ استیصال جس سے کسی قوم کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے اور اسے تباہ کر کے نسیاً منسیا کر دیا جاتا ہے‘ وہ کسی رسول کی بعثت کے بغیر نہیں بھیجا جاتا‘ بلکہ رسول آ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا بالکل مبرہن کر دیتا ہے۔ اس کے باوجود بھی جو لوگ کفر پر اڑے رہتے ہیں اُن کو پھر تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔

آیت ۱۳۲ ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ ’’اور ہر ایک کے لیے درجات ہیں اُن کے عمل کے اعتبار سے۔‘‘

ظاہر بات ہے کہ سب نیکوکار بھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی سب بدکار ایک جیسے ہو سکتے ہیں‘ بلکہ اعمال کے لحاظ سے مختلف افراد کے مختلف مقامات اور مراتب ہوتے ہیں۔

﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ﴾ ’’اور آپ کا رب بے خبر نہیں ہے اُس سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔‘‘

آیت ۱۳۳ ﴿وَرَبُّكَ الْغَنِیُّ ذُو الرَّحْمَةِ﴾ ’’اور آپ کا رب تو غنی ہے‘ رحمت والا ہے۔‘‘

اُسے کسی کو عذاب دے کر کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور کسی کی بندگی اور اطاعت سے اُس کا کوئی رُکا ہوا کام چل نہیں پڑتا۔ وہ ان سب چیزوں سے بے نیاز ہے۔

﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا یَشَآءُ﴾ ''اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے (ختم کر دے) اور تمہارے بعد جن لوگوں کو چاہے لے آئے''

وہ اس پر قادر ہے کہ ایک نئی مخلوق کو تمہارا جانشین بنا دے' کوئی نئی species لے آئے۔ اللہ کا اختیار مطلق ہے' وہ چاہے تو ایک نئی نسلِ آدم پیدا کر دے۔

﴿كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّیَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ﴾ ''جس طرح اُس نے تمہیں اٹھایا ہے کسی اور قوم کی نسل میں سے۔''

جیسے قومِ عاد عرب کی بڑی زبردست اور طاقتور قوم تھی۔ لیکن جب اس کو تباہ برباد کر دیا گیا تو ان ہی میں سے کچھ اہلِ ایمان لوگ جو حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھی تھے وہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے اور اُن کے ذریعے سے بعد میں قومِ ثمود وجود میں آئی۔ پھر قومِ ثمود کو بھی ہلاک کر دیا گیا اور اُن میں سے بچ رہنے والے اہل ایمان سے آگے نسل چلی اور مختلف علاقوں میں مختلف قومیں آباد ہوئیں۔ چنانچہ جیسے تمہیں ہم نے اٹھایا ہے کسی دوسری قوم کی نسل سے' اسی طریقے سے ہم تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئیں گے۔

آیت ۱۳۴ ﴿اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ﴾ ''یقیناً جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے (یا دھمکی دی جا رہی ہے) وہ آ کر رہے گی' اور تم عاجز کر دینے والے نہیں ہو۔''

تم اپنی سازشوں سے اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے' اُس کے قابو سے باہر نہیں جا سکتے۔ اللہ کے تمام وعدے پورے ہو کر رہیں گے۔

آیت ۱۳۵ ﴿قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے اے میری قوم کے لوگو! کر لو جو کچھ کر سکتے ہو اپنی جگہ پر' میں بھی کر رہا ہوں (جو مجھے کرنا ہے)''۔

یہ گویا چیلنج کرنے کا سا انداز ہے کہ مجھے تم لوگوں کو دعوت دیتے ہوئے بارہ برس ہو گئے ہیں۔ تم نے اس دعوت کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے' ہر ہر طرح سے مجھے ستایا ہے' تین سال تک شعبِ بنی ہاشم میں محصور رکھا ہے' میرے ساتھیوں پر تم لوگوں نے تشدّد کا ہر ممکن حربہ

آزمایا ہے۔ غرض تم میرے خلاف جو کچھ کر سکتے تھے کرتے رہے ہو' ابھی مزید بھی جو کچھ تم کر سکتے ہو کر لو' جو میرا فرضِ منصبی ہے وہ میں ادا کر رہا ہوں۔

﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ''تو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کے لیے ہے عاقبت کا گھر۔ یقیناً ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔''

عاقبت کی دائمی کامیابی کس کے لیے ہے؟ کس کے لیے وہاں جنت ہے' روح و ریحان ہے اور کس کے لیے دوزخ کا عذاب ہے؟ یہ عنقریب تم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا۔

آیت ۱۳۶ ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا﴾ ''اور انہوں نے اللہ کے لیے رکھا ہے خود اُسی کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں سے ایک حصّہ''

ایک بڑے خدا کو مان کر چھوٹے خداؤں کو اس کی الوہیّت میں شریک کر دینا ہی دراصل شرک ہے۔ اس میں بڑے خدا کا انکار نہیں ہوتا۔ جیسے ہندوؤں میں ''مہا دیو'' تو ایک ہی ہے جب کہ چھوٹی سطح پر دیوی دیوتا بے شمار ہیں۔ اسی طرح انگریزی میں بھی بڑے G سے لکھے جانے والا God ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ وہ Omnipotent ہے' Omniscient ہے' Omnipresent ہے' وہ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے' وہ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ہے' وہ ہر جگہ موجود ہے۔ یہ اس کی صفات ہیں' یہ اس کے Attributes ہیں۔ لہٰذا اس کے لیے تو G بڑا (capital) ہی آئے گا' لیکن چھوٹے g سے لکھے جانے والے gods اور goddesses بے شمار ہیں۔ اسی طرح اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ اللہ تو ایک ہی ہے' کائنات کا خالق بھی وہی ہے' لیکن یہ جو دیویاں اور دیوتا ہیں' ان کا بھی اس کی خدائی میں کچھ دخل اور اختیار ہے' یہ اللہ کے ہاں سفارش کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات میں سے کچھ حصہ ان کو بھی سونپ رکھا ہے' لہٰذا اگر ان کی کوئی ڈنڈوت کی جائے' نذرانے دیے جائیں' انہیں خوش کیا جائے' تو اس سے دنیا کے کام چلتے رہتے ہیں۔

اہلِ عرب کے معروف ذرائع معاش دو ہی تھے۔ وہ بکریاں پالتے تھے یا کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اپنے عقیدے کے مطابق ان کا طریقہ یہ تھا کہ مویشیوں اور فصل میں سے وہ اللہ کے نام کا ایک حصہ نکال کر صدقہ کرتے تھے جب کہ ایک حصّہ الگ نکال کر بتوں کے نام پر دیتے تھے۔ یہاں تک تو وہ اپنے تئیں انصاف سے کام لیتے تھے کہ کھیتیوں کی پیداوار اور مال

مویشیوں میں سے اللہ کے لیے بھی حصہ نکال لیا اور اپنے چھوٹے خداؤں کے لیے بھی۔ اب اس کے بعد کیا تماشا ہوتا تھا وہ آگے دیکھئے:

﴿فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا﴾ ''پھر کہتے ہیں اپنے خیال سے کہ یہ تو ہے اللہ کے لیے اور یہ ہے ہمارے شریکوں کے لیے۔''

﴿فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ﴾ ''تو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچ سکتا اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا ہے۔''

اب اگر کہیں کسی وقت کوئی دقت آ گئی' کوئی ضرورت پڑ گئی تو اللہ کے حصے میں سے کچھ نکال کر کام چلا لیتے تھے مگر اپنے بُتوں کے حصے کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ گویا بت تو ہر وقت ان کے سروں پر کھڑے ہوتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ بُت ناراض ہو گئے تو فوراً ان کی شامت آ جائے گی' لیکن اللہ تو (معاذ اللہ) ذرا دور تھا' اس لیے اس کے حصے کو اپنے استعمال میں لایا جا سکتا تھا۔ ان کی اس سوچ کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ہمارے ہاں دیہات میں ایک عام دیہاتی پٹواری کو ڈی سی کے مقابلے میں زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ اس لیے کہ پٹواری سے اسے براہِ راست سابقہ پڑتا ہے' جب کہ ڈی سی کی حیثیت کا اُسے کچھ اندازہ نہیں ہوتا۔ بہر حال یہ تھی وہ صورتِ حال جس میں ان کے شریکوں کے لیے مختص کیا گیا حصہ اللہ کو نہیں پہنچ سکتا تھا' جب کہ اللہ کا حصہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا تھا۔

﴿سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ ''کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں۔''

آیت ۱۳۷ ﴿وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ﴾ ''اور اسی طرح مزیّن کر دیا ہے بہت سے مشرکین کے لیے ان کے شرکاء نے اپنی اولاد کو قتل کرنا''

اس میں اشارہ ہے مشرکین کے اُن اعتقادات کی طرف جن کے تحت وہ اپنے بچوں کو جنّوں یا مختلف بتوں کے نام پر قربان کر دیتے تھے۔ آج بھی ہندوستان میں اس طرح کے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ کسی نے اپنے بچے کو دیوی کی بھینٹ چڑھا دیا۔

﴿لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ﴾ ''تا کہ وہ انہیں برباد کریں اور ان کے

دین کو ان پر مشتبہ کر دیں۔''

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ سب کچھ نہ کر سکتے' تو چھوڑ دیجیے ان کو بھی اور اس کو بھی جو یہ افترا پردازی کر رہے ہیں۔''

دین کو مشتبہ کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایسے عقائد اور ایسی چیزیں بھی دین میں شامل کر دی جائیں جن کا دین سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ قتلِ اولاد بھی اس کی مثال ہے۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ وہ دین اور مذہب کے نام پر ہی کرتے تھے۔ فرمایا کہ انہیں چھوڑ دیں کہ اپنی افترا پردازیوں میں لگے رہیں۔

آیت ۱۳۸ ﴿وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ یہ جانور اور یہ کھیتی ممنوع ہیں' ان کو نہیں کھا سکتے مگر وہی جن کے بارے میں ہم چاہیں' اپنے گمان کے مطابق''

یعنی یہ ساری خود ساختہ پابندیاں وہ بزعم خویش درست سمجھتے تھے۔

﴿وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ﴾ ''اور کچھ چوپائے ہیں جن کی پیٹھیں حرام ٹھہرائی گئی ہیں' اور کچھ چوپائے ہیں جن پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے' یہ سب کچھ جھوٹ گھڑتے ہیں اُس پر۔''

یعنی اپنے مشرکانہ توہمات کے تحت بعض جانوروں کو سواری اور بار برداری کے لیے ممنوع قرار دیتے تھے اور کچھ حیوانات کے بارے میں طے کر لیتے تھے کہ ان کو جب ذبح کرنا ہے تو اللہ کا نام ہرگز نہیں لینا۔ لہٰذا اس سے پہلے آیت ۱۲۱ میں جو حکم آیا تھا کہ مت کھاؤ اس چیز کو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے وہ دراصل ان کے اس عقیدے اور رسم کے بارے میں تھا' وہ عام حکم نہیں تھا۔

﴿سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ ''اللہ عنقریب انہیں سزا دے گا ان کے اس افترا کی۔''

یہ جھوٹی چیزیں جو انہوں نے اللہ کے بارے میں گھڑ لیں ہیں' اللہ ضرور انہیں اس جھوٹ کی سزا دے گا۔

آیت ۱۳۹ ﴿وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى

اَزْوَاجِنَا ۚ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں جو کچھ ان چوپایوں کے پیٹوں میں ہے وہ خاص ہمارے مَردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر وہ حرام ہے۔''

یعنی کسی حاملہ مادہ جانور (اونٹنی یا بکری وغیرہ) کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کا گوشت صرف مردوں کے لیے ہوگا' عورتوں کے لیے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

﴿وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۱۳۹﴾ ''اور اگر وہ مُردہ ہو تو پھر وہ سب اس میں حصہ دار ہوں گے۔ اللہ عنقریب انہیں سزا دے گا ان کی ان باتوں کی جو انہوں نے گھڑ لی ہیں' وہ یقیناً حکیم اور علیم ہے۔''

ان ساری رسموں اور خود ساختہ عقائد کے بارے میں وہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ ہماری شریعت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلی آ رہی ہے اور ہمارے آباء واَجداد بھی اسی پر عمل کرتے تھے۔

آیت ۱۴۰ ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاۗءً عَلَى اللّٰهِ ۭ﴾ ''یقیناً نامراد ہوئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا بے وقوفی سے' بغیر علم کے' اور انہوں نے حرام کر لیا (اپنے اوپر) وہ رزق جو اللہ نے انہیں دیا تھا اللہ پر افترا کرتے ہوئے۔''

یعنی ان ساری غلط رسومات کا انتساب وہ لوگ اللہ کے نام کرتے تھے۔ دوسری طرف وہ بتوں کے نام پر قربانیاں دیتے اور استھانوں پر نذرانے بھی چڑھاتے تھے۔ اسی طرح کے نذرانے وہ اللہ کے نام پر بھی دیتے تھے۔ یہ سارے معاملات ان کے ہاں اللہ تعالیٰ اور بتوں کے لیے مشترکہ طور پر چل رہے تھے۔ اس طرح انہوں نے سارا دین مشتبہ اور گڈمڈ کر دیا تھا۔

﴿قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۱۴۰﴾ ''وہ گمراہ ہو چکے ہیں اور اب ہدایت پر آنے والے نہیں ہیں۔''

آیات ۱۴۱ تا ۱۴۴

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۠ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۱۴۱ۙ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۴۲ۙ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۴۳ۙ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۴۴ۧ

آیت ۱۴۱ ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ﴾ ''اور وہی ہے (اللہ) جس نے پیدا کیے باغات وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو نہیں چڑھائے جاتے''

''معروشات'' کے زمرے میں بیل نما پودے آتے ہیں' جن کا اپنا تنا نہیں ہوتا جس پر خود وہ کھڑے ہو سکیں۔ اس لیے ایسے پودوں کو سہارا دے کر کھڑا کرنا پڑتا ہے' جیسے انگور کی بیل وغیرہ۔ دوسری طرف ''غیر معروشات'' میں عام درخت شامل ہیں جو خود اپنے مضبوط تنے پر کھڑے ہوتے ہیں' جیسے انار یا آم کا درخت ہے۔

﴿وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ﴾ ''اور کھجور اور کھیتی' جس کے ذائقے مختلف ہیں' اور زیتون اور انار' ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور مختلف بھی۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی صناعی کی مثالیں ہیں کہ اس نے مختلف النوع درخت' کھیتیاں اور پھل پیدا کیے' جو آپس میں ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی۔ جیسے Citrus Family کے پھلوں میں کینو' فروٹ اور مالٹا وغیرہ شامل ہیں۔ بنیادی طور پر یہ سب ایک ہی قسم یا خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور شکل' ذائقہ وغیرہ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہونے کے باوجود سب کی اپنی اپنی الگ

پہچان ہے۔

﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ ''کھایا کرو ان کے پھلوں میں سے جبکہ وہ پھل دیں اور اللہ کا حق ادا کرو ان کے کاٹنے (اور توڑنے) کے دن''

یعنی جیسے زمین کی پیداوار میں سے عشر کا ادا کرنا فرض ہے' ایسے ہی ان پھلوں پر بھی زکوٰۃ دینے کا حکم ہے۔ لہٰذا کھیتی اور پھلوں کی پیداوار میں سے اللہ تعالیٰ کا حق نکال دیا کرو۔

﴿وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۱۴۱﴾ ''اور بے جا خرچ نہ کرو' یقیناً اللہ کو بے جا خرچ کرنے والے پسند نہیں ہیں۔''

آیت ۱۴۲ ﴿وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ﴾ ''اور چوپایوں میں سے (اس نے پیدا کیے ہیں) کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے۔''

حَمُوْلَةً وہ جانور ہیں جو قد کاٹھ اور ڈیل ڈول میں بڑے بڑے ہیں اور جن سے بار برداری کا کام لیا جا سکتا ہے' مثلاً گھوڑا' خچر' اونٹ وغیرہ۔ ان کے برعکس کچھ ایسے جانور ہیں جو اس طرح کی خدمت کے اہل نہیں ہیں اور چھوٹی جسامت کی وجہ سے استعارۃً انہیں فرش (زمین) سے منسوب کیا گیا ہے' گویا زمین سے لگے ہوئے ہیں' مثلاً بھیڑ' بکری وغیرہ۔ یہ ہر طرح کے جانور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیدا کیے ہیں۔

﴿كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۴۲﴾ ''کھاؤ اُس میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو' یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

آیت ۱۴۳ ﴿ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ﴾ ''یہ آٹھ قسم کے چوپائے ہیں (جو تمہارے ہاں عام طور پر پائے جاتے ہیں)''

یہ اس بات کا جواب ہے جو انہوں نے حاملہ ماداؤں کے بارے میں کہی تھی کہ ان کے پیٹوں میں جو بچے ہیں ان کا گوشت صرف مرد ہی کھا سکتے ہیں' جب کہ عورتوں پر یہ حرام ہے۔ ہاں اگر مرا ہوا بچہ پیدا ہو تو اس کا گوشت مردوں کے ساتھ عورتیں بھی کھا سکتی ہیں۔

﴿مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ﴾ ''بھیڑ میں سے دو (نر اور مادہ) اور بکری میں سے دو (نر اور مادہ)۔''

﴿قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ) ان سے پوچھئے کہ اللہ نے ان دونوں مذکروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مؤنثوں کو؟ یا جو کچھ ان دونوں مؤنثوں کے رحموں میں ہے (اسے حرام کیا ہے)؟''

غور طلب نکتہ ہے کہ اس میں حرمت آخر کہاں سے آئی ہے۔ اللہ نے ان میں سے کس کو حرام کیا ہے؟ نر کو' مادہ کو' یا بچے کو؟ پھر یہ کہ اگر کوئی شے حرام ہے تو سب کے لیے ہے اور اگر حرام نہیں ہے تو کسی کے لیے بھی نہیں ہے۔ یہ تم نے جو نئے نئے قوانین بنا لیے ہیں وہ کہاں سے لے آئے ہو؟

﴿نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۴۳﴾ ''مجھے بتاؤ کسی بھی سند کے ساتھ اگر تم سچے ہو۔''

آیت ۱۴۴ ﴿وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ﴾ ''اور (اسی طرح) اونٹ میں سے دو (نر اور مادہ)' اور گائے میں سے دو (نر اور مادہ)۔ ان سے پوچھئے کیا اُس نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں ماداؤں کو؟ یا جو کچھ ان ماداؤں کے رحموں میں ہے (اسے حرام کیا ہے)؟''

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ﴾ ''کیا تم موجود تھے جب اللہ نے تمہیں یہ نصیحتیں کیں؟''

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ﴾ ''تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے بغیر کسی علم کے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۴۴﴾ ''یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔''

❁❁❁

توبہ کی عظمت اور اس کی تاثیر
اور
موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام

اب آیئے آج کے حالات کی طرف‘ جو میری گفتگو کا دوسرا حصہ ہے۔ آج کے حالات کا جتنا مرثیہ کہا جائے کم ہے۔ ایک تو پوری اُمتِ مسلمہ کا معاملہ ہے کہ دنیا میں ڈیڑھ ارب مسلمان ہیں‘ لیکن عزت نام کی کوئی شے نہیں۔ کتنا بڑا رقبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قدموں تلے رکھا ہے اور پھر اس رقبہ میں سارے وسائل و ذرائع موجود ہیں۔ بہترین نباتات اور بہترین معدنیات یہاں موجود ہیں‘ تیل کے سب سے بڑے ذخیرے مسلمانوں کے قدموں تلے ہیں‘ لیکن نہیں ہے تو عزّت نام کی شے نہیں ہے۔ ہمارے وسائل پر دوسروں کا قبضہ ہے‘ ہمارے ملکوں میں غیروں کا سکّہ چلتا ہے‘ دنیا میں اکثر مسلمان حکومتیں امریکہ کی پٹھو اور آلہ کار ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہماری پالیسیاں وہ طے کرتے ہیں۔ ہمارے حکمران ان کے چشم وابرو کے اشارے کے منتظر رہتے ہیں۔ پھر اسرائیل کے ہاتھوں عالمِ عرب کی جو رسوائی ہو رہی ہے وہ انتہائی شرمناک ہے۔ اسرائیل میں کل تیس پینتیس لاکھ یہودی ہیں‘ جبکہ فلسطین اور آس پاس کے علاقے میں

مسلمانوں کی تعداد یہودیوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اور پھر فلسطین کے اردگرد عرب ممالک میں تیس کروڑ کے قریب مسلمان ہیں‘ لیکن کوئی ان مٹھی بھر یہودیوں کے مقابلے کی جرأت نہیں رکھتا۔

اُمّتِ مُسلمہ ذلّت ومسکنت کا شکار ہے

موجودہ حالات کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اس وقت اُمت مسلمہ پر ذلت ومسکنت تھوپ دی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں یہود کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۶۱) ”اور ان پر ذلت وخواری اور محتاجی وکم ہمتی تھوپ دی گئی اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے“۔ لیکن آج ان الفاظ کا مصداق اُمّت مسلمہ بن چکی ہے۔ ایک طرف تو ذلت ورسوائی کا یہ عذاب ہے جو اس وقت پوری اُمّت مسلمہ پر مسلّط ہے‘ دوسری طرف ہمارا حال کیا ہے؟ ہمیں یہ کہتے ہوئے ساٹھ سال سے زیادہ ہو گئے ہیں کہ کشمیر ہماری شہ رگ ہے‘ لیکن کبھی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ ہم الٹی میٹم دیتے کہ کشمیر چھوڑ دو ورنہ آؤ مقابلہ کرو! یہ خوف نہیں ہے تو کیا ہے؟ اوپر سے صلح ہے‘ بھارت سے سفارتی تعلقات ہیں‘ لیکن ہماری خفیہ کارروائیاں جاری ہیں کہ اندر ہی اندر ہم کمانڈوز بھی بھیج دیتے ہیں۔ یہ طریقے تو ویسے بھی حرام ہیں۔ قرآن کا حکم تو یہ ہے کہ اگر کسی قوم کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے تو پہلے اس کا معاہدہ اس کے منہ پر دے مارو اور پھر اقدام کرو۔ یہ منافقت اسلام نہیں سکھاتا کہ معاہدہ بھی رہے اور اندر ہی اندر اقدام بھی کرتے رہو۔ آج بھارت ہمارا پانی روک کر گویا ہمارا پیچ کستا جا رہا ہے۔ آپ اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ بھارت ہمارے میدانوں کو صحرا میں بدل کر رکھ دے گا‘ جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم کشمیر کے لیے اسے کوئی الٹی میٹم نہیں دے سکے تو اب پانی کے لیے کہاں دیں گے! یہ کیا ہے؟ یہ ذلت ومسکنت ہے جو ہم پر تھوپ دی گئی ہے۔ تو یہ اللہ کا عمومی عذاب ہے پوری اُمت مسلمہ پر۔ آپ ذرا غور کیجیے کہ دنیا میں جہاں بھی خون بہہ رہا ہے وہ مسلمان کا ہے۔ وہ کشمیر ہو‘ فلسطین ہو‘ چیچنیا ہو‘ بوسنیا ہو‘ کوسووو ہو‘ صومالیہ ہو‘ افغانستان ہو یا

عراق ہو۔ بقول اقبال ؎

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر!

اُمّتِ مُسلمہ کی ذلّت ومسکنت کا سبب

اُمتِ مسلمہ کی اس ذلت ورسوائی کا اصل سبب ہمارا یہ جرم ہے کہ ہم نے زمین کے کسی حصے پر بھی اللہ کا دین قائم کر کے لوگوں پر حجّت قائم نہیں کی کہ آؤ دیکھو یہ ہے محمد ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کا سب سے بڑا مظہر‘ یہ ہے اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی (Politico-Socio-Economic System of Justice) جو محمد ﷺ نے دیا ہے‘ جسے آپ ﷺ نے اپنے زمانے میں قائم کر کے دکھا دیا تھا۔ آج بھی دنیا کو دکھانا ہوگا کہ آؤ دیکھو یہ نمونہ ہے۔ یہ نہیں کہ پدرم سلطان بود کہ ہمارا ایسا نظام تھا‘ بہت اعلیٰ تھا۔ کتابوں میں لکھا ہوا نظام دنیا پر حجت نہیں ہے۔ یہ سبب ہے ہماری عمومی ذلت ومسکنت کا جو اس وقت دنیا میں ہمارے اوپر چھائی ہوئی ہے۔

ایک اعتبار سے اہلِ عرب مسلمان اس ذلت ورسوائی میں ایک قدم آگے ہیں‘ اس لیے کہ وہ سب سے بڑے مجرم ہیں۔ کیونکہ جس کا جتنا رتبہ بلند ہوتا ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے: ع ’’جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے!‘‘ ان کو ایک رتبہ یہ دیا گیا کہ محمد عربی ﷺ ان ہی میں سے تھے۔ ع ’’یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا‘‘۔ دوسرا رتبہ ان کو یہ دیا گیا کہ ان کی مادری زبان میں اللہ کا کلام اُترا۔ انہیں اس کو سمجھنے کے لیے کوئی گرامر سیکھنی نہیں پڑتی‘ کوئی گردانیں رٹنی نہیں پڑتیں۔ اس کے باوجود ان میں سے کسی نے بھی کہیں ایک انچ زمین پر دین حق کا نظام قائم نہیں کیا جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے دنیا میں قائم ہوا۔ پوری اُمتِ مسلمہ میں سے عربوں کا درجہ بلند ہونا اس طرح ہے جیسے سورۃ الاحزاب میں ازواج النبی ﷺ سے کہا گیا: ﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (آیت ۳۲) ’’اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو‘‘۔ یعنی تم پر جو اللہ کا خصوصی فضل ہوا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم میں سے اگر کسی نے کوئی

غلط حرکت کی تو اس کی سزا دوگنی ملے گی۔

پاکستان کی ذلّت ومسکنت کا سبب: اللہ سے کی گئی وعدہ خلافی

اس ضمن میں عربوں کے بعد سب سے بڑا معاملہ پاکستان کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے یہ خطۂ ارضی اللہ سے ایک عہد کر کے‘ گڑگڑا کر دعائیں مانگ مانگ کر لیا تھا۔ آج جو جس کے منہ میں آتا ہے بک دیتا ہے‘ لیکن میں تو اس کا چشم دید گواہ ہوں۔ تقسیم ہند کے وقت میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ضلع حصار کا جنرل سیکریٹری تھا۔ ہم نے جلوس نکالے اور ہر اجتماع میں دعائیں مانگیں‘ چاہے وہ اجتماع عیدین کے ہوتے تھے یا جمعہ کے۔ ہم بس یہی دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! یہ نہ ہو کہ انگریز کی غلامی کے بعد ہم ہندو کے غلام بن جائیں‘ ہمیں اس دوہری غلامی سے نجات دے دے‘ ہمیں ایک علیحدہ مملکت دے دے‘ اس میں ہم تیرے دین کا بول بالا کریں گے‘ تیرے نبی ﷺ کا لایا ہوا نظام قائم کریں گے۔ علامہ اقبال نے بھی ۱۹۳۰ء میں خطبۂ الٰہ آباد میں یہی بات کہی تھی اور پھر قائداعظم نے اسی کی تکرار کی کہ ہم پاکستان اس لیے چاہتے ہیں کہ عہدِ حاضر میں اسلام کے اصول حریت واخوت ومساوات کا ایک نمونہ پیش کر سکیں کہ آؤ دیکھو یہ ہے وہ نظام عدل اجتماعی جس کی تلاش میں نوعِ انسانی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔ فرانس کا انقلاب آیا تھا تاکہ سیاسی اعتبار سے عدل ہو جائے۔ سیاسی اعتبار سے تو کچھ عدل ہوا کہ بادشاہت ختم ہوگئی‘ لیکن اب اقتصادیات کے راستے سے معاشی ظلم وجود میں آ گیا اور صنعتی انقلاب کے بعد سرمایہ دار گردن پر سوار ہو گیا۔ اس سے نجات پانے کے لیے ۱۹۱۷ء میں مارکس کا بالشویک انقلاب آیا تو اب ایک پارٹی مسلّط ہوگئی۔ اب وہ بھی ختم ہو گیا تو اب انسان کدھر جائے گا؟ مغرب کو اصل خطرہ یہ ہے کہ کہیں لوگ اسلام کی طرف نہ دیکھنے لگیں۔ یہی بات اقبال نے اپنی نظم ’’ابلیس کی مجلس شوریٰ‘‘ کے اندر ابلیس کی زبان سے کہلوائی تھی: ؎

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں!

یہ ہے اصل میں وہ چیز جس کے لیے ہم نے یہ ملک بنایا' لیکن ہم نے وعدہ خلافی کی۔ ساٹھ برس سے زیادہ ہو چکے ہیں اور ہم نے نہ وہ دین قائم کیا' نہ وہ قوانین نافذ کیے۔ آپ دیکھیں زیادہ دیر نہیں گزری جب افغانستان میں طالبان نے صرف چند اسلامی احکام اور چند شرعی سزائیں نافذ کی تھیں اور پورے افغانستان میں امن ہو گیا تھا۔ ملاعمر کے ایک حکم پر پوست کی کاشت زیرو ہو گئی تھی۔ اسی پر اہلِ مغرب کو اندیشہ ہوا کہ ابھی تو انہوں نے شریعت کی چھوٹی چھوٹی چیزیں نافذ کی ہیں اور برکات کا ظہور ہو گیا ہے' اگر کہیں پوری شریعت نافذ ہو گئی اور پورا دین آ گیا تو پھر ہمارا نظام کہاں رہے گا؟ کیا سورج کے طلوع ہونے کے بعد تاریکی موجود رہے گی؟ اس لیے انہیں خوف لاحق ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اسلام کو نظام سمجھنے والے بنیاد پرست (Fundamentalists) ہمارے دشمن ہیں' ہم انہیں تباہ کر کے رہیں گے' ہم ان کو کسی صورت برداشت کرنے کو تیار نہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہم ہمیشہ سے ایسے تھے؟ ہرگز نہیں! ہمارا اس درجے گھٹیا کردار پہلے تو نہیں تھا' ہمارا معاشرہ اتنا برا کبھی نہیں تھا: ع ''جیسی اب ہے تیری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی!'' یہ کیوں ہوا ہے' یہ سمجھنے کی بات ہے۔ ہمارے ہاں کچھ کالم نگار اور کچھ دانشور جمہوریت کی رٹ لگاتے ہیں کہ جمہوریت نہیں چلنے دی گئی اس لیے یہ خرابی ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جمہوریت کا نہ چلنا ایک علامت ہے' مرض نہیں ہے۔ مرض یہ ہے کہ ہم نے اللہ سے وعدہ خلافی کی' تو یہ اس وعدہ خلافی کی ایک سزا ہے جو ہم پر اس وقت مسلّط ہوئی ہے۔

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مؤمن کا بے زری سے نہیں!

آج جو مسلمان دنیا میں ذلیل و خوار ہیں تو کیا یہ مال و دولت کی کمی کی وجہ سے ہے؟ نہیں! مال و دولت کی جو بہتات اس وقت متحدہ عرب امارات' سعودی عرب اور بعض دوسرے ممالک کے اندر ہے اتنی بہتات دنیا میں اور کہیں نہیں ہے۔ برونائی کا سلطان دنیا کے امیر ترین لوگوں میں سے ایک ہے اور وہ مسلمان ہی تو ہے۔ معلوم ہوا ہمارا زوال کسی اور وجہ سے ہے۔

اللہ سے کی گئی وعدہ خلافی کے اثرات و نتائج

ہم نے پاکستان میں وہ کام نہیں کیا جس کا ہم نے اللہ سے وعدہ کر کے پاکستان لیا تھا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم سیاسی عدم استحکام کا شکار ہو گئے۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ ہم سیاسی طور پر نابالغ ہیں' کیونکہ ہمارے سیاست دان یہاں کی حکومت کو سنبھال ہی نہیں سکے۔ اس سے آگے بڑھ کر قوم ایک قوم نہیں رہی بلکہ قومیتوں میں تحلیل ہو گئی ہے۔ اب قوم کہاں ہے؟ ع ''ڈھونڈ اب اس کو چراغِ رخِ زیبا لے کر!'' اِدھر پشتون ہیں' اُدھر بلوچ ہیں' اِدھر سندھی ہیں' اُدھر سرائیکی ہیں' اِدھر پنجابی ہیں' اُدھر اردو بولنے والے ہیں' اس طرح یہ ایک قوم تو نہیں رہی۔ اگر یہ ایک قوم ہوتی اور کالا باغ ڈیم کو ایک ملک کا معاملہ سمجھا جاتا تو آج سے کم از کم دس پندرہ برس پہلے یہ ڈیم بن چکا ہوتا' لیکن یہ تو صوبائی معاملہ بنا دیا گیا ہے۔ سندھی کے نزدیک اگر پورا ملک ڈوبتا ہے تو ڈوب جائے' ختم ہوتا ہے تو ہو جائے' پنجاب صحرا میں تبدیل ہوتا ہے تو ہو جائے' ہمیں کیا؟ اور ایسا فی الواقع ہو رہا ہے۔ ہم نے تین دریا بھارت کو دے دیے تھے' باقی جو دو ہیں ان کے اوپر وہ کتنے ڈیم بنا چکا ہے اور کتنے مزید بنا رہا ہے۔ وہ تو اگلا کام یہ کر رہا ہے کہ دریائے سندھ کا پانی بھی ایک سرنگ (tunnel) کے ذریعے سے ایک پہاڑ کو چیر کر لانا چاہتا ہے تاکہ اسے بھی وہ اپنے استعمال میں لے آئے۔ تم آپس میں ڈیم کے لیے لڑتے رہو اور جب تم ڈیم بنانے کا فیصلہ کرو گے تو اس وقت ڈیم کے لیے پانی کہاں سے آئے گا؟ اور اگر ڈیم نہیں بھی بنے گا تو وہ پانی کہاں ہو گا جس سے سندھ سیراب ہو گا؟

اسی طرح کا معاملہ ہمارے باقی اداروں کا ہے۔ کرپشن نے پورے معاشرے کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ بینکوں کا معاملہ کیا ہے؟ بینکوں کے پاس جو پیسہ ہوتا ہے وہ قوم کی امانت ہوتا ہے' لیکن ہمارے بینک ذریعہ بن گئے ہیں اس دولت کو لوٹنے کا' لٹانے کا اور سیاسی رشوتیں دینے کا۔ بالکل جعلی دستاویزات کے اوپر کروڑوں کے قرضے جاری کر دیے جاتے ہیں۔ دوسری طرف اربوں کے قرضے معاف کیے جا رہے ہیں۔ یہ کسی کے باپ کی دولت تھی جو معاف کر دی گئی؟ ہماری انتظامیہ مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ عدلیہ کا

حال اس سے بھی برا ہے۔ یہاں عدل بکاؤ مال ہے اور عدالتیں درحقیقت سودے بازی کے اڈے بن کر رہ گئی ہیں۔ ہمارے سیاست دان کھلے عام جھوٹ بول رہے ہیں‘ حالانکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مؤمن اور خواہ کچھ بھی ہو جائے جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ حضرت امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ :اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا؟ فَقَالَ : ((نَعَمْ)) فَقِيْلَ لَهٗ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا؟ فَقَالَ : ((نَعَمْ)) فَقِيْلَ لَهٗ :اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا؟ فَقَالَ : ((لَا!))(۱)

’’رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا مؤمن بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہاں‘‘۔ پھر پوچھا گیا: کیا مؤمن بخیل ہوسکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ’’ہاں‘‘۔ پھر سوال کیا گیا‘ کیا مؤمن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں!!‘‘

جبکہ ہمارے سیاست دان جھوٹ اور وعدہ خلافی کے بادشاہ ہیں۔ وعدہ خلافی کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا:

((لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ))(۲)

’’جس میں امانت داری نہیں ہے اس میں ایمان نہیں ہے اور جس کے اندر ایفائے عہد نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔‘‘

آج اسلامی جمہوریہ پاکستان کا صدرِ مملکت استہزائیہ انداز میں کہتا ہے کہ کیا وعدے‘ چاہے وہ تحریر شدہ بھی ہوں‘ پورے کرنے کے لیے ہوتے ہیں؟ وعدہ خلافی علامت ہے خیانت کی‘ اور اس سطح پر خیانت ہزاروں اور لاکھوں کی نہیں بلکہ اربوں کھربوں کی ہوتی ہے۔ حکمران تو معاشرے کے عکاس ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ہمیں بتا رکھا ہے: ((كَمَا تَكُوْنُوْنَ كَذٰلِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ))(۳) ’’جیسے تم خود ہو گے ویسے ہی لوگ تمہارے

(۱) موطأ مالك‘ كتاب الجامع‘ باب ما جاء فى الصدق والكذب۔

(۲) مسند احمد‘ ح ۱۱۹۳۵ و ۱۲۱۰۸ و ۱۲۷۲۲ و ۱۳۱۴۵۔ الترغيب والترهيب للمنذرى‘ ج ٤‘ ص ۷۷۔ راوى: انس بن مالك رضی اللہ عنہ۔

(۳) رواه البيهقى فى شعب الايمان۔ بحواله مشكاة المصابيح‘ كتاب الامارة والقضاء‘ الفصل الثالث۔

اوپر حکمران ہو جائیں گے!‘‘ چنانچہ میں یہ کہا کرتا ہوں اور آج پھر کہہ رہا ہوں کہ اس وقت ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ جو جتنا بڑا ہے‘ اِلّا ماشاء اللہ‘ وہ اتنا ہی بڑا جھوٹا ہے۔ جو جتنا بڑا ہے‘ اِلّا ماشاء اللہ‘ وہ اتنا ہی وعدہ خلاف ہے اور جو جتنا بڑا ہے‘ اِلّا ماشاء اللہ‘ وہ اتنا ہی خائن اور غبن کرنے والا ہے۔☆

قیامِ پاکستان: ایک معجزہ‘ ایک آزمائش

یہ بات سمجھ لیجیے کہ پاکستان کا قیام پولیٹکل سائنس کے اصولوں کے حوالے سے کسی حساب کتاب میں نہیں آتا۔ اس کے باوجود پاکستان کا قیام ایک معجزہ تھا۔ ہندو ہم سے تعداد میں تین گنا زیادہ تھے۔ مسلم لیگ کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں تھی اور مسلمانوں کی بھی کوئی حیثیت ہندوؤں کے مقابلے میں نہیں تھی۔ تعلیم اور کاروبار میں ہم بہت پیچھے تھے‘ جبکہ صنعت و حرفت میں تو ہمارا کوئی دخل تھا ہی نہیں‘ اس میں تو سارے کے سارے ہندو تھے۔ پھر اُس وقت انگلستان میں لیبر پارٹی کی حکومت تھی اور وزیراعظم اٹیلی کو قائداعظم سے نفرت تھی‘ جس کا اظہار وہ اپنی کتاب میں کر چکا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر ہندوستان کا وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن گاندھی کا چیلا تھا اور گاندھی نے کہا تھا کہ پاکستان صرف میری لاش پر بن سکتا ہے۔ پھر کیسے بن گیا پاکستان؟ انگریز کہتے تھے کہ ہندوستان کبھی متحد نہیں رہا‘ کبھی ایک یونٹ بن کر نہیں رہا اور یہ ہمارا بڑا کارنامہ ہے کہ ہم نے ایسا کر کے دکھا دیا۔ وہ تو چاہتے تھے کہ ان کا یہ کارنامہ باقی رہے‘ لیکن انہوں نے نام لیا اقبال کا کہ اس نے ہمارے اس خواب کو پورا نہیں ہونے دیا۔ علامہ اقبال ۱۹۳۲ء کی گول میز کانفرنس میں موجود تھے۔ رمزے میکڈونلڈ نے اسی کانفرنس کے موقع پر کہا تھا:

☆ نبی اکرم ﷺ نے مستقبل کے حکمرانوں کے بارے میں ایک پیشین گوئی کی تھی جو آج ہمارے سیاستدانوں اور حکمرانوں پر بعینہٖ صادق آتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((سَيَكُوْنُ اُمَرَاءُ بَعْدِىْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ)) (مسند احمد كتاب مسند المكثرين من الصحابة‘ باب مسند عبدالله بن مسعود‘ ح:٤١٣٣)

’’عنقریب میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے جو کہیں گے وہ جو کریں گے نہیں اور وہ کریں گے جس کا انہیں حکم نہیں دیا جائے گا‘‘ یعنی ان کے قول و فعل میں تضاد ہوگا۔ (اضافہ از مرتب)

"A poet has destroyed our dream of United India."

یعنی ہم ہندوستان کو ایک ہی ملک کی حیثیت سے چھوڑ کے جانا چاہتے تھے مگر ایک شاعر نے ہمارا یہ خواب پورا نہیں ہونے دیا۔ علامہ اقبال کا ۱۹۳۰ء کا خطبہ تھا جس نے ان کے خواب کی دھجیاں بکھیر دی تھیں، جس میں انہوں نے واضح کر دیا تھا کہ ہندو کے ساتھ ہماری ایک قومیت نہیں ہے:

We are a different nation altogether.

تو یہ جان لیجیے کہ پاکستان اس وعدے کی بنا پر بنا ہے جو ہم نے اللہ تعالیٰ سے اس کے نظام کو نافذ کرنے کا کیا تھا اور اللہ کی مشیت خصوصی سے بنا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش بھی ہے۔ اس کے لیے میں سورۃ الاعراف سے ایک مثال پیش کر رہا ہوں۔ میری ساری سوچ بچار، میرا سارا غور و فکر، میرا سارا دار و مدار تو کتاب و سنت ہے۔ وہی مبنیٰ بھی ہے جس پر بنیاد ہوتی ہے، وہی محور بھی ہے جس کے گرد کوئی چیز گھومتی ہے۔ میری سوچ اور غور و فکر کا مبنیٰ بھی قرآن و سنت ہے اور محور بھی —— سورۃ الاعراف میں ایک مثال دی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر میں مبعوث ہوئے، بنی اسرائیل اُس وقت بڑے شدید مصائب میں گرفتار تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے بھی آلِ فرعون ان پر ظلم کر رہے تھے اور انؑ کے آنے کے بعد بھی یہ مظالم جاری تھے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے شکوہ کیا: ﴿اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ ''ہم آپ کے آنے سے پہلے بھی ستائے جاتے رہے ہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی''۔ یعنی ہمارا حال وہی ہے، آپ کے آنے کے بعد بھی ہمارا حال نہیں بدلا۔ جواب میں کہا گیا: ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾﴾ ''عنقریب تمہارا ربّ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین میں حکومت عطا کرے گا، پھر دیکھے گا تم کیا کرتے ہو''۔ میں جب یہ آیت پڑھتا ہوں تو مجھے صاف نظر آتا ہے کہ پاکستان کا قیام بھی اللہ کی طرف سے ایک آزمائش اور امتحان ہے اس لیے کہ قیام پاکستان میں

بہت دشواریاں تھیں۔ پاکستان کا قیام گاندھی کی موت تھی، نہرو اور پٹیل کی موت تھی، کانگریس کی موت تھی، وہ اس کو کسی درجے میں قبول کرنے کو تیار نہیں تھے اور آج تک انہوں نے قبول نہیں کیا۔ اس سب کے باوجود اللہ نے پاکستان دے دیا تو یہ اللہ کی طرف سے ایک امتحان تھا، جیسے بنی اسرائیل کا امتحان لیا گیا کہ اگر تمہیں اقتدار مل جائے تو تم کیا کرتے ہو؟ یہ وہ امتحان تھا جس میں ملت اسلامیہ پاکستان ۱۹۴۷ء کے بعد مبتلا ہو گئی تھی، لیکن اس امتحان کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ساڑھے ۶۱ برس ہو گئے اور وہ اسلام تو قائم نہیں ہوا۔ ہم نے اللہ سے اپنا عہد توڑا ہے، وعدہ خلافی کی ہے۔

اسلام: دین یا مذہب؟

دیکھئے ایک ہے اسلام مسجدوں والا، نمازوں والا، روزوں والا، حج والا۔ وہ تو انڈیا میں بھی ہے، امریکہ میں بھی ہے۔ وہاں مسجدیں بن رہی ہیں، روزے رکھے جا رہے ہیں، عیدیں منائی جاتی ہیں، یعنی اسلام مذہب کی حیثیت میں دنیا میں ہر جگہ موجود ہے، لیکن اسلام بحیثیت دین کہیں نہیں ہے۔ دین کہتے ہیں مکمل نظامِ حیات کو، اور قرآن میں اسلام کے لیے ہمیشہ لفظ دین آیا ہے، مذہب نہیں آیا۔ پورے قرآن میں لفظ مذہب ہے ہی نہیں۔ حدیث میں بھی میری معلومات کی حد تک لفظ مذہب نہیں آیا۔ ہماری تاریخ میں مذہب کا لفظ استعمال ہوتا ہے مگر فقہی مسالک کے لیے، مثلاً مذہب ابی حنیفہ، مذہب شافعی، مذہب مالکی، یہ مذاہب ہیں اور دین سے مراد تو اللہ کا دین یعنی دین اسلام ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران:۱۹) ''یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے''۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آل عمران:۸۵) ''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرنا چاہے گا تو وہ اس کی جانب سے قبول نہیں کیا جائے گا''۔ یہی وہ دین ہے جس کو نافذ کرنے کے لیے ہم نے پاکستان مانگا تھا ورنہ اسلام بحیثیت مذہب تو دنیا میں ہر جگہ موجود ہے۔

صدر بش کے آخری ایام میں ان کے موقف میں تھوڑی تبدیلی ہو گئی تھی، ورنہ امریکی حکمرانوں کا موقف یہ تھا کہ مذہبِ اسلام سے ہماری کوئی جنگ نہیں ہے، ہاں اگر

اسلام بحیثیت نظام کی بات کرو گے تو جنگ ہوگی۔ چنانچہ میں اپنی تقریروں میں یہ کہتا رہا ہوں کہ صدر بش امریکہ میں مقیم مسلمانوں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ دیکھو تم ہندوستان سے آئے‘ عرب سے آئے‘ شام سے آئے‘ ترکی سے آئے اور تم نے یہاں آ کے چرچ خرید کر مسجدیں بنالیں‘ کیا ہم نے کبھی تمہیں روکا؟ تم نے یہودیوں کے سنیگاگ خریدے اور انہیں مسجد بنالیا‘ ہم نے نہیں روکا۔ تم روزے رکھتے ہو ہم کبھی نہیں روکتے ہیں‘ بلکہ ہم وائٹ ہاؤس میں ایک افطاری بھی دے دیتے ہیں۔ تم عید مناتے ہو اور ہم تمہاری عید الفطر اور بقر عید پر یادگاری ٹکٹ شائع کر دیتے ہیں۔ تو تمہارے مذہبِ اسلام سے تو ہماری کوئی جنگ نہیں ہے...... لیکن یہ ذرا پرانی بات ہے۔ حال ہی میں وہاں کا Neocons طبقہ یہ کہتا ہے کہ یہ مذہب بھی شیطانی مذہب ہے۔ نقل کفر کفر نہ باشد‘ وہ کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ!)

Quran is evil (معاذ اللہ!) Muhammad is evil

چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ اس مذہب کی بھی جڑ کاٹنی پڑے گی‘ اس لیے کہ قرآن تو اپنے اندر پورے کا پورا دین اور پورے کا پورا نظام لیے ہوئے ہے۔ قرآن سے آپ جہاد کو کھرچ نہیں سکتے‘ ہاں اپنے سکولوں کے نصاب سے آیات جہاد نکال سکتے ہیں۔ چنانچہ بعض عرب ممالک میں نصابی کتب میں سے جہاد سے متعلق آیات اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت پر مبنی آیات نکال دی گئی ہیں‘ لیکن قرآن میں سے تو ان کو کوئی نہیں نکال سکتا‘ کیونکہ اللہ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾﴾ (الحجر) ”یہ الذکر تو ہم نے خود نازل کیا اور ہم خود ہی اس کے محافظ ہیں“۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِہٖ ؕ﴾ (حٰم السجدۃ:۴۲) ”باطل اس پر حملہ آور ہو ہی نہیں سکتا‘ نہ آگے سے اور نہ پیچھے سے۔“

وعدہ خلافی کی سزا: منافقت

ہم نے جو مملکت خداداد پاکستان میں اسلام کو بحیثیت دین نافذ نہیں کیا‘ جس کا ہم نے اللہ سے وعدہ کیا تھا‘ تو اس کی سزا ہمیں منافقت کی صورت میں مل رہی ہے۔ یہ ایک علیحدہ بحث ہے کہ اسلام کیوں نافذ نہیں ہوا؟ مجرم کون ہے؟ میرے نزدیک پوری قوم

مجرم ہے‘ اِلّا یہ کہ جو بھی نفاذِ اسلام کی جِدّ و جُہد میں اپنا تَن مَن دھن لگا تا رہا ہے وہ اللہ کے ہاں بچ جائے گا‘ باقی تو پوری قوم مجرم ہے۔ ہاں قوم کے اندر جس کی جتنی بڑی حیثیت ہے اتنی ہی بڑی اس کی ذمہ داری بھی ہو جاتی ہے‘ لیکن میں اس بحث میں نہیں جانا چاہتا۔ چونکہ یہاں اسلام کا نظامِ اجتماعی نہیں آ سکا‘ لہٰذا اس جرم کی سزا کے طور پر ہم پر منافقت مسلّط کی گئی ہے۔ اس بات کو میں سورۃ التوبہ کی تین آیات کے حوالے سے بیان کرتا ہوں۔ مدینہ کے منافقین کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ عٰہَدَ اللّٰہَ لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِہٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ بَخِلُوۡا بِہٖ وَ تَوَلَّوۡا وَّ ہُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعۡقَبَہُمۡ نِفَاقًا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ اِلٰی یَوۡمِ یَلۡقَوۡنَہٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰہَ مَا وَعَدُوۡہُ وَ بِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ ﴿۷۷﴾﴾

”ان میں کچھ لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ ہمیں اپنے فضل سے نواز دے گا (دولت دے گا‘ غنی کر دے گا) تو ہم خوب صدقہ و خیرات کریں گے اور نیک بن جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا تو انہوں نے بخل سے کام لیا (تجوریوں پر تالے لگا دیے) اور پیٹھ پھیر کر اعراض کرنے لگے۔ تو عقوبت (سزا) کے طور پر ہم نے ان کے دلوں کے اندر نفاق پیدا کر دیا اُس دن تک کے لیے جب یہ اُس سے ملیں گے اور یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اُسے پورا نہ کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے۔“

یہی سزا خاص طور پر مسلمانانِ پاکستان پر مسلّط ہوئی ہے اس وعدہ خلافی کی وجہ سے جو ہم نے اللہ سے کی ہے۔

آپ غور کیجیے کہ دنیا کا کوئی اور مسلمان ملک اللہ سے اس طرح کا عہد کر کے آزاد نہیں ہوا۔ نہ مصریوں نے کبھی ایسا عہد کیا‘ نہ شامیوں نے کیا‘ نہ سعودیوں نے کیا‘ نہ ایرانیوں نے کیا اور نہ ہی افغانیوں نے کیا۔ ایک ملک جو پہلے موجود تھا ہی نہیں‘ اسلام کے نام پر بنا ہے‘ جبکہ باقی ممالک تو ہمیشہ سے تھے۔ انڈونیشیا بھی ہمیشہ سے تھا‘ مصر‘ لیبیا‘ الجزائر‘ شام سب ہمیشہ سے تھے۔ پاکستان جو ایک برعظیم کو تقسیم کر کے نیا ملک بنایا گیا وہ

اسلام کے نام پر بنایا گیا اور وہاں اسلام نہیں آیا۔ یہ ہے ہمارا وہ اضافی جرم جس کی اضافی سزا یہ ملی ہے۔

میں آج بڑے دکھ کے ساتھ کہہ رہا ہوں' لیکن میں اگر یہ الفاظ استعمال نہیں کروں گا تو آپ میرے اصل احساسات کو سمجھ نہیں سکیں گے' کہ آج مسلمانانِ پاکستان دنیا کی عظیم ترین منافق قوم ہے۔ اس منافقت کا ذرا حساب کر لیجیے۔ اس بارے میں دو احادیث نبوی پیش کر رہا ہوں جو دونوں متفق علیہ ہیں۔ پہلی حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ' وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ' وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))(۱)

وفی روایۃٍ لمُسلِمٍ:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ))

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: (i) جب بولے جھوٹ بولے (ii) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (iii) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔''

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں' اگرچہ روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔''

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ))(۲)

''چار چیزیں اگر کسی میں ہوں تو وہ پکا منافق ہے اور اگر ان میں سے ایک ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت پائی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کو چھوڑ دے (وہ چار

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب علامۃ المنافق۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان خصال المنافق۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب علامۃ المنافق۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان خصال المنافق۔ واللفظ للبخاری۔

نشانیاں یہ ہیں) (i) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے (ii) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (iii) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے (iv) جب کسی سے جھگڑ پڑے تو آپے سے باہر ہو جائے (یعنی گالم گلوچ اور مار دھاڑ پر اُتر آئے)۔''

ان نشانیوں کو سامنے رکھیے اور اپنے معاشرے کا جائزہ لیجیے۔ میں بتا چکا ہوں کہ ہمارے ہاں جو جتنا بڑا ہے اتنا ہی بڑا جھوٹا ہے' اتنا ہی بڑا وعدہ خلاف ہے۔ یہ کسی اور کی بات نہیں ہے' یہ ہم خود ہیں۔ اپنے گریبانوں میں جھانک لیں' جھوٹ سے کتنے بچے ہوئے ہیں' ایفائے عہد کتنا ہے ہمارے اندر! اگر ایک طرف پیسہ ہو اور دوسری طرف دیانت تو ہم کدھر جائیں گے؟ یہ ہمارا قومی کردار ہے اور اسی وجہ سے قوم کھوکھلی ہو گئی ہے۔ یہ نفاقِ عملی ہے' از روئے حدیث: ''جس کے اندر امانت کا وصف نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں ہے اور جس کے اندر ایفائے عہد نہیں اس کا کوئی دین نہیں ہے۔''

پاکستان کا دستور' منافقت کا پلندہ ہے!

آپ جانتے ہیں کہ کسی ملک کی اہم ترین دستاویز اس کا دستور ہوتا ہے۔ میں سخت الفاظ کہہ رہا ہوں کہ پاکستان کا دستور منافقت کا پلندہ ہے۔ اگرچہ اس میں پورا اسلام موجود ہے' لیکن اسلامی دفعات کے مؤثر ہونے میں بہت سے چور دروازے حائل ہیں۔ جیسے منافق مسلمان تو ہوتا تھا' لیکن اس میں ایمان نہیں ہوتا تھا اسی طرح ہمارے دستور میں پورا اسلام موجود ہے لیکن ایمان نہیں ہے۔ قراردادِ مقاصد (آرٹیکل 2-A) پاکستان کے دستوری خاکے میں ''رہنما اصول'' کی حیثیت سے موجود ہے' لیکن یہ پورے دستور پر حاوی نہیں ہے۔ اس میں صرف ایک جملہ بڑھا دیا جائے:

"This article will take precedence over all the provisions of the constitution."

یعنی یہ دفعہ پورے دستور پر حاوی رہے گی تو اس طرح اِس دور میں اسلامی ریاست کا دستوری تقاضا صد فی صد پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے' بلکہ ہمارے دستور میں بہت سی غیر اسلامی دفعات بھی موجود ہیں۔ مثلاً ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ کسی کو پھانسی کی سزا

ہوئی ہے اور اس کو تمام کورٹس نے برقرار رکھا ہے' اس کے بعد بھی صدر صاحب کو اختیار ہے کہ چاہے تو اسے معاف کر دیں۔ اسلام میں یہ اختیار کسی کو نہیں دیا گیا۔ قاتل کو صرف مقتول کے ورثاء معاف کر سکتے ہیں' کوئی صدر ایسا نہیں کر سکتا۔ جب اس پر پٹیشن دائر کی گئی تو اُس وقت کے چیف جسٹس نسیم حسن شاہ صاحب' جو بہت بڑے مسلم لیگی ہیں' نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ وہ بھی دستور کی ایک دفعہ ہے اور یہ بھی دستور کی ایک دفعہ ہے' لہٰذا قراردادِ مقاصد اس کو غیر مؤثر نہیں کر سکتی۔ پھر ہمارے دستور میں یہ شق بھی موجود ہے:

"No legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah"

''قرآن وسنّت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی۔''

لیکن اس کے لیے کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی قائم کر دی گئی ہے اس کے بارے میں رپورٹیں دیتی رہے گی۔ آگے ان رپورٹوں کا کیا بنے گا اس کا کچھ ذکر نہیں۔ ان رپورٹوں کا کیا حشر ہو گا کچھ پتا نہیں۔ اگر یہی طے کر دیا جاتا کہ دو یا تین مہینے کے اندر اندر رپورٹ پارلیمنٹ میں پہنچ جانی چاہیے تو بھی اس ضمن میں کچھ پیش رفت ہوتی' لیکن ایسا کچھ نہیں ہے۔ کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی پر اربوں روپیہ خرچ ہوا ہے۔ علماء کرام بڑی بڑی تنخواہیں لے رہے ہیں اور انہیں فائیو سٹار ہوٹلز کے اندر ٹھہرایا جاتا رہا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس کونسل میں تمام فرقوں کے علماء دیوبندی' بریلوی' اہل حدیث اور شیعہ سب شامل تھے۔ انہوں نے بہت کام کیا ہے' اس میں کوئی شک نہیں' لیکن ساری رپورٹیں وفاقی حکومت کی الماریوں کے اندر جا کر جمع ہو گئیں اور آج تک کوئی ایک رپورٹ بھی دستور کا حصہ بننا تو کجا پارلیمنٹ میں ہی نہیں آئی۔ یہ ہیں چور دروازے!

آج سے چند سال پہلے جب نواز شریف صاحب کی حکومت فیصلہ کن اکثریت سے قائم ہوئی تھی' ان کے پاس دو تہائی سے زیادہ اکثریت تھی' مرکز میں وہ وزیراعظم تھے اور پنجاب میں وزیراعلیٰ شہباز صاحب تھے' یہ حضرات مجھ سے ملنے قرآن اکیڈمی آئے تھے۔ اس ملاقات کا پس منظر یہ تھا کہ ان کے والد میاں محمد شریف صاحب حرم میں

مجھے ملے تھے۔ مجھے وہیل چیر پر دیکھ کر وہ میرے پاس آئے اور حال احوال پوچھا۔ پھر کہنے لگے کہ میں آپ کو لاہور میں ملوں گا۔ جب ان کے دو بیٹوں کی حکومت بنی تو مجھے اچانک خیال آیا کہ میں میاں شریف صاحب کو خط لکھوں کہ آپ کے بیٹوں کو اللہ تعالیٰ نے وہ فیصلہ کن اقتدار دے دیا ہے' اب ان کو چاہیے کہ اس ملک کے اندر اسلام کے نفاذ کی طرف قدم اٹھائیں۔ میں نے اپنے خط میں الفاظ عجیب سے لکھ دیے: آپ نے کہا تھا کہ آپ تشریف لائیں گے لیکن آپ تو آئے نہیں' اور میں اس لیے نہیں آیا کہ میرے نزدیک دین کے خادموں کا دولت مندوں کے دروازوں پر حاضری دینا مناسب نہیں۔ اگلے ہی روز میاں محمد شریف' اپنے تینوں بیٹوں میاں نواز شریف' میاں شہباز شریف اور میاں عباس شریف کے ہمراہ' قرآن اکیڈمی چلے آئے۔ میں نے ان کو دستور کے بارے میں بتایا کہ اس کے اندر جو چور دروازے ہیں' انہیں بند کر دیجیے' ملکی معیشت سے سود ختم کیجیے۔ انہوں نے اس کے بارے میں وعدے کیے' لیکن وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا! یہ حضرات دو دفعہ میرے پاس آئے۔ میری کوئی حیثیت نہیں' نہ میری سیاسی حیثیت ہے' نہ مذہبی حیثیت ہے' اس لیے کہ مذہبی اعتبار سے میں کسی فرقے کا آدمی نہیں ہوں کہ مجھے فرقہ وارانہ حمایت حاصل ہو۔ پھر میں اپنا وفد لے کر گیا اور پرائم منسٹر ہاؤس میں ان سے ملا۔ میں نے دستور کی ترمیم پیش کی کہ یہ ہیں چور دروازے' انہیں بند کر دیجیے۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے! میرے سامنے انہوں نے راجہ ظفر الحق صاحب سے کہا کہ راجہ صاحب' دستوری ترمیم کا بل تیار کیجیے۔ ہوا پھر بھی کچھ نہیں۔ بہرحال اس وقت تک بھی پاکستان کا دستور منافقت کا پلندہ ہے کہ اس میں پورا اسلام ہے بھی اور نہیں بھی ع ''ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے!''

وعدہ خلافی کی ایک اور سزا: اندرونی خلفشار اور بیرونی یلغار

اللہ تعالیٰ سے کی گئی وعدہ خلافی کا دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم نفاق باہمی کا بھی شکار ہو گئے۔ اب قوم' قوم نہیں رہی' قومیتوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ اب ہمارے ہاں مرکز گریز قوتیں (centrifugal forces) بہت مضبوط ہیں۔ سرحد میں اسفندیار ولی کی

حکومت ہے جو ولی خان کا بیٹا ہے اور ولی خان وہ شخص ہے جو کہتا تھا کہ پاکستان انگریز کی سازش سے بنا ہے‘ اسے انگریز نے بنایا ہے‘ مسلم لیگ نے نہیں بنایا — میرے نزدیک بھی مسلم لیگ نے نہیں بنایا‘ بلکہ اللہ نے بنایا ہے — آج کل اخبارات کے اندر بڑی بحث چل رہی ہے کہ قائداعظم نے کیبنٹ مشن پلان کو مان لیا تھا۔ میرے نزدیک یہ ان کی بہت بڑی سیاسی دانشمندی کا ثبوت ہے کہ انہوں نے اسے منظور کر لیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نگاہ پورے عالمی حالات پر تھی۔ انہوں نے ہی تو کہا تھا کہ ’’اسرائیل مغرب کا حرامی بچہ ہے‘‘ یعنی یہ برطانیہ اور امریکہ کی ناجائز اولاد ہے — انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد اب برطانیہ یہاں سے جانے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ وہ اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ اتنے دور دراز علاقوں پر قبضہ برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اس نے مئی ۱۹۴۸ء کی تاریخ اس علاقہ کو خالی کرنے کے لیے مقرر کی تھی‘ جس کے بارے میں بعد میں معلوم ہوا ہے۔ اب اگر قائداعظم کیبنٹ مشن پلان نہ مانتے تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ انگریز یک طرفہ طور پر ہندوستان کا اقتدار کانگریس کے سپرد کر کے یہاں سے چلا جاتا۔ اب اگر ایک دفعہ پورے ہندوستان پر کانگریس کی حکومت بن جاتی تو پھر کون پاکستان بننے دیتا؟ ہندوؤں نے کشمیر کا ایک انچ ہمیں نہیں دیا تو پورا پاکستان کیونکر دے دیتے؟ اس لیے قائداعظم نے اس کو منظور کر لیا کہ اس منصوبہ کے اندر ایک امکان تو ہے کہ دس سال کے بعد یہ دونوں زون علیحدہ ہو جائیں گے۔ وہ تو اگر نہرو خاموش رہتا تو پاکستان کبھی وجود میں نہ آتا۔ نہرو سے پریس کانفرنس میں پوچھا گیا: کیا آپ اسے علیحدہ ہونے کی اجازت دے دیں گے؟ کہنے لگا: ایک دفعہ بن جانے دو پھر کون کسی کو علیحدہ ہونے دیتا ہے۔ بس اسی پر قائداعظم نے ریورس گیئر لگایا کہ اگر یہ نیتیں ہیں تو پھر ہم نہیں مانتے۔ اب ظاہر بات ہے کہ کوئی الزام ان کو نہیں دیا جا سکتا تھا‘ الزام سارے کا سارا نہرو کے اوپر تھا۔ مولانا آزاد نے اپنی کتاب ’’India wins Freedom‘‘ میں اپنے پورے سیاسی کیریئر کی صرف ایک غلطی تسلیم کی ہے اور وہ یہ کہ اُس وقت بھی ان پر دباؤ تھا کہ وہ کانگریس کے صدر رہیں لیکن انہوں نے نہیں مانا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قائداعظم

نے انہیں ’’شوبوائے‘‘ کہہ کر نہایت شرمندہ کر دیا تھا اور انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ کانگریس کے ساتھ تو ایک مسلمان بھی نہیں‘ تو میرا یہاں صدر ہونا محض دکھاوے کے لیے ہے۔ چنانچہ انہوں نے کانگریس کا صدر رہنا قبول نہیں کیا اور ان کے انکار پر نہرو صدر بن گیا۔ مولانا آزاد نے تسلیم کیا کہ اگر نہرو کانگریس کا صدر نہ ہوتا تو اُس کے اِس جواب کا کوئی نتیجہ نہ نکلتا۔ جس پر قائداعظم نے فوراً ایکشن لیا اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر گاڑی کا ریورس گیئر لگایا اور تب پاکستان وجود میں آیا۔ پھر اس حوالہ سے بھی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ ہے کہ یہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو وجود میں آیا۔ وہ شب جس میں قرآن نازل ہوا ہے‘ اسی میں پاکستان نازل ہوا ہے‘ جمعۃ المبارک کی شب کو۔ بہرحال اب صورت حال یہ ہے کہ یہاں ایک قوم نہیں ہے بلکہ نفاق باہمی ہے۔

بیرونی یلغار: اب اس سب کا ایک حاصل داخلی ضعف ہے اور اس کا دوسرا نتیجہ بیرونی یلغار ہے‘ کیونکہ اگر آپ اندر سے کمزور ہو جائیں گے‘ آپ کی قوت مدافعت کم ہو گی‘ تو ہر طرح کے جراثیم آپ پر حملہ آور ہوں گے‘ آپ کو بیمار کریں گے‘ اور اگر آپ میں قوت مدافعت ہو گی تو آپ جراثیم کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دے دیں گے۔ جب آپ اندر سے کمزور ہو گئے‘ اندرونی خلفشار کا شکار ہو گئے‘ قوم نہیں رہے بلکہ قومیتیں بن گئے تو پھر خارج سے بھی ہم پر حملے شروع ہو گئے۔ پہلا حملہ ۱۹۷۱ء میں ہوا۔ اندرونی خلفشار ہم نے پیدا کیا تھا‘ بدامنی ہم نے کی تھی‘ مشرقی پاکستان میں آرمی ایکشن ہم نے کیا تھا‘ انتخابات کے نتائج کو ماننے سے انکار ہم نے کیا تھا۔ بدمعاش یحییٰ خان جو اس ملک کا قاتل ہے‘ اس کے کرتوتوں کا بھارت نے فائدہ اٹھایا اور وہ کیوں نہ اٹھاتا؟ بڑا پیارا شعر ہے فارسی کا ؎

نیشِ عقرب نہ از پئے کین است
اقتضائے طبیعتش این است

یہ جو بچھو ڈنگ مارتا ہے یہ تمہاری دشمنی کی وجہ سے نہیں مارتا‘ اسے تم سے کوئی کینہ نہیں ہے‘ یہ تو اس کی طبیعت کا تقاضا ہے‘ اس نے تو اپنی سرشت کے تقاضے کے مطابق ڈنگ مارنا

ہی مارنا ہے۔تو بھارت کی قومی حمیّت کا تقاضا یہ ہے کہ پاکستان ان کے سینے کا ناسور ہے‘ ان کی بھارت ماتا کے ٹکڑے ہوئے ہیں‘ بندے ماترم ان کا تو ترانہ ہے۔۱۹۷۱ء میں ان کے انگریز عسکری تجزیہ کار نے کہا تھا:

This is the chance of the century, grab the chance!

یعنی یہ تو اس صدی کا بہترین موقع ہے‘ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور فوراً مشرقی پاکستان کے اندر داخل ہو جاؤ! اور آپ کو معلوم ہے کہ پاکستان دولخت ہو گیا تھا‘ بدترین شکست کا ٹیکہ آج تک ہماری پیشانی پر ہے۔ ہمارے ترانوے ہزار افراد ہندو کے قیدی بنے‘ جن میں غالباً ۵۳ ہزار فوجیوں کی تعداد تھی‘ باقی چالیس ہزار سویلین تھے۔جن ہندوؤں پر ہم نے تقریباً ایک ہزار برس حکومت کی تھی‘ وہ ہماری فوج کو بھیڑ بکریوں کی طرح ٹرکوں میں لاد کر لے گئے‘ جیسا کہ ڈیرہ غازی خان سے لاہور میں ذبح ہونے کے لیے ٹرکوں میں لاد کر بھیڑ بکریاں لائی جاتی ہیں۔ یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا ایک کوڑا تھا‘ لیکن میرے نزدیک یہ بعینہٖ سورۃ السجدۃ کی آیت والا معاملہ ہے:

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾﴾

’’اور ہم انہیں چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے بڑے عذاب سے پہلے‘ شاید یہ لوٹ آئیں (ہوش میں آ جائیں‘ جاگ جائیں)۔‘‘

لیکن ہم ان عذابوں کے بعد بھی ہوش میں نہیں آئے۔ ہمارے وہی لیل و نہار‘ وہی صبح و شام‘ وہی سارا جھوٹ‘ مکر و فریب‘ وہی لوٹ مار‘ وہی رشوت‘ وہی کمیشن‘ وہی سب کچھ‘ جس کا میں تذکرہ کر چکا ہوں۔

اب حالات یہ ہیں کہ یہ معاملہ دوطرفہ ہو گیا ہے۔ایک طرف ہندوستان کو نظر آ رہا ہے کہ اب پھر پاکستان میں خلفشار ہے‘ اِدھر شمال میں ولی خان کا بیٹا حکومت میں ہے‘ جس کے دادا خان عبدالغفار خان نے پاکستان میں دفن ہونا بھی قبول نہیں کیا۔اُدھر جنوب میں الطاف حسین کی حکومت ہے جو دلی میں کہہ کر آیا ہے کہ ہندوستان کی تقسیم میں بہت بڑی غلطی تھی۔ بلکہ میں نے ایک ٹی وی مکالمے میں ان کے ایک قریبی ساتھی اور ایم کیو ایم

کے لیڈر کا بیان سنا‘ وہ کہہ رہے تھے کہ بلوچستان میں علیحدگی پسند جو کچھ کر رہے ہیں وہ ٹھیک ہے۔ان حالات میں انڈیا پھر سے اکھنڈ بھارت کا خواب دیکھ رہا ہے‘ کیونکہ اس وقت اس کو سب سے بڑی پشت پناہی مغرب کی حاصل ہے۔

صیہونیت اور Neo-cons کا پانچ نکاتی ایجنڈا

یہاں یہ بات ذرا سمجھنے کی ہے کہ مغرب میں ایک اقلیّت (minority) ہے یہودیوں کی جن کے پنجے میں اس وقت عیسائی ہیں‘ خاص طور پر عیسائیت کا پروٹسٹنٹ فرقہ ان کے شکنجے میں ہے۔آپ نے ایک لفظ سنا ہو گا WASP۔ عام معنوں میں WASP کہتے ہیں ’بھڑ‘ کو‘ جب وہ کاٹ لیتی ہے تو جسم سوج جاتا ہے‘ لیکن WASP اصل میں مخفّف ہے White Anglo Saxon Protestant کا۔ یہ آلہ کار ہیں یہودیوں کے اور یہ Christian Zionists ہیں‘ جبکہ ایک یہودی Zionist ہیں۔ ان کے پیش نظر ایک پانچ نکاتی ایجنڈا ہے جس کی تکمیل میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں:

(i) آرمیگاڈان (بہت بڑی جنگ): بائبل کا آخری باب ’’مکاشفاتِ یوحنا‘‘ ہے‘ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری ’’یوحنا‘‘ کی پیشین گوئیاں ہیں۔ان میں سے ایک پیشین گوئی یہ ہے کہ اس دنیا کے خاتمہ سے پہلے ایک بہت بڑی جنگ ہو گی۔اُس نے جگہ کی نشاندہی بھی کی ہے کہ یہ جنگ وہاں ہو گی جہاں لبنان‘ فلسطین اور شام ملتے ہیں۔اسی مقام پر ایک وادی افیق ہے جو مسقط سے ’’لد‘‘ (Lydda) جاتی ہے اور یہ اسرائیل کا سب سے بڑا ائیر بیس ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس جنگ کو اَلْمَلْحَمَۃُ الْعُظْمٰی (عظیم ترین جنگ) کا نام دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ جنگ زیادہ دُور نہیں ہے۔

(ii) گریٹر اسرائیل کا قیام: حدیثِ نبویؐ کی رو سے اس آخری صلیبی جنگ میں تمام ممالک مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں گے اور عظیم تر اسرائیل قائم ہو جائے گا‘ جس کا نقشہ اسرائیل کی پارلیمنٹ کی پیشانی پر آویزاں ہے۔ یہودیوں کے اس نقشے کے مطابق پورا فلسطین‘ پورا شام‘ عراق (کم از کم دجلہ تک)‘ مصر کا انتہائی زرخیز دریائے نیل کے ڈیلٹا کا علاقہ‘ ترکی کا جنوبی حصّہ اور سعودی عرب کا بھی شمالی حصّہ بشمول مدینہ‘ یہ

سب گریٹر اسرائیل کا حصہ بنیں گے۔

(iii) مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ کو گرانا: صخرہ کے معنی چٹان کے ہیں۔ سفر معراج میں حضور ﷺ اس چٹان سے براق پر بیٹھے تھے اور یہاں سے اپنا آسمانی سفر شروع کیا تھا۔ تیرہ سو سال پہلے اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اس جگہ پر گنبد بنا دیا تھا۔ تصاویر میں اور ٹی وی پر جو سنہرے رنگ کا گنبد دکھایا جاتا ہے، وہی قبۃ الصخرۃ (Dome of the Rock) ہے۔ ان کے ایجنڈے میں مسجد اقصیٰ اور اس قبۃ الصخرۃ کو گرانا بھی شامل ہے۔

(iv) ہیکل سلیمانی کی تعمیر: مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر ان کے اس ایجنڈے کا ناگزیر حصہ ہے۔ ہیکل سلیمانی کی تاریخ یہ ہے کہ اسے ایک ہزار سال قبل مسیح تعمیر کیا گیا، ۵۸۶ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے اسے تباہ و برباد کر دیا، تقریباً سو سال بعد اسے دوبارہ بنایا گیا، پھر ٹائٹس رومی نے ۷۰ء میں اسے دوبارہ گرا دیا۔ اُس وقت تک رومی عیسائی نہیں بلکہ بت پرست تھے۔ یہ ہیکل سلیمانی اب تک گرا پڑا ہے۔ اس کی صرف ایک دیوار باقی ہے جسے دیوارِ گریہ (Wailing Wall) کہتے ہیں۔ یہودی وہاں جا کر ماتم کرتے ہیں۔

(v) عالمی حکومت کا قیام: WASP کے منصوبے کے مطابق ہیکل سلیمانی (3rd Temple) کی تعمیر کے بعد یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کا تخت لا کر رکھا جائے گا۔ اس کی تفصیل Philadelphia Trumpet میں شائع ہوئی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی تاج پوشی ایک پتھر پر بٹھا کر کی گئی تھی، پھر اسی پتھر پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی تاج پوشی کی گئی اور اس کے بعد جتنے بھی یہودی بادشاہ ہوئے، ان سب کی تاج پوشی بھی اسی پتھر پر بٹھا کر کی جاتی رہی۔ جب ٹائٹس رومی نے ۷۰ء میں ہیکل سلیمانی کو گرایا اُس وقت یہ پتھر یروشلم میں موجود تھا۔ وہ یہودیوں کے اس مقدّس پتھر کو اپنے ساتھ روم لے گیا، وہاں سے یہ آئرلینڈ، سکاٹ لینڈ سے ہوتا ہوا انگلینڈ آ گیا اور انگلینڈ کی پارلیمنٹ سے ملحقہ چرچ ''ویسٹ منسٹر ایبے'' میں اسے ایک کرسی میں نصب کر دیا گیا۔ اب انگلینڈ کے ہر بادشاہ کی تاج پوشی اسی مقدس پتھر والی کرسی پر بٹھا کر کی جاتی ہے۔ ان کے

ایجنڈے کے مطابق ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد وہ پتھر یہاں لا کر رکھا جائے گا اور ایک گلوبل حکومت قائم ہو جائے گی۔

یہاں تک تو عیسائیوں اور یہودیوں میں اتفاق ہے، اس سے آگے تھوڑا اختلاف ہے۔ عیسائی کہتے ہیں ہمارے مسیحا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے اور اس تخت پر بیٹھ کر حکومت کریں گے۔ جبکہ یہودی کہتے ہیں کہ ہمارا میسایاح (Messiah) آئے گا اور اس تخت پر بیٹھ کر حکومت کرے گا۔

اہلِ مغرب کو زیادہ خطرہ پاکستان سے ہے

یہ بات بھی نوٹ کر لیں کہ ۱۹۶۷ء میں عربوں اور اسرائیلیوں کی جو جنگ ہوئی تھی اس میں مصر، شام اور اردن کو شکست ہوئی اور یہودیوں نے اس فتح کا جشن پیرس میں منایا، جہاں بن گوریان نے تقریر میں کہا کہ ہمیں کسی عرب ملک سے کوئی اندیشہ نہیں ہے، اندیشہ ہے تو صرف پاکستان سے۔ حالانکہ اُس وقت پاکستان ایٹمی طاقت نہیں بنا تھا اور اب تو پاکستان ایٹمی قوت بن چکا ہے اور وہ اسے اپنے لیے اور زیادہ خطرہ سمجھتے ہیں۔

اب انہیں اندیشہ ہے کہ اگر مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ کو گرایا گیا تو عالمِ اسلام میں طوفان آ جائے گا، لوگ اُٹھ کھڑے ہوں گے اور یہ جو مسلمانوں کی حکومتیں امریکہ کی کٹھ پتلیاں اور ان کے گھڑے کی مچھلیاں ہیں، ساری کی ساری اس طوفان کی نذر ہو جائیں گی، اور پھر ہو سکتا ہے کہ پاکستان کے ایٹمی ہتھیار بنیاد پرستوں کے ہاتھ میں آ جائیں۔ ان کے نزدیک مسئلے کا حل یہ ہے کہ یا تو پاکستان کو بالکل ختم کر دیا جائے، جیسا کہ ان کے think tanks کہتے رہتے ہیں کہ ۲۰۱۲ء یا ۲۰۲۰ء میں دنیا کے نقشے پر پاکستان نہیں ہوگا اور وہ اس کے نقشے بھی چھاپ رہے ہیں کہ پاکستان کی نئی تقسیم یہ ہوگی کہ صوبہ بلوچستان کو ایرانی بلوچستان سے ملا کر ایک آزاد گریٹر بلوچستان بنا دیا جائے گا، NWFP علیحدہ ہو جائے گا، وغیرہ وغیرہ۔ اس کا دوسرا حل وہ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی دانت توڑ کر اسے ہندوستان کے رحم و کرم پر ڈال دیا جائے۔ یہ منصوبہ ہے جس کے تحت ہمارے ہاں اس وقت سوات اور وزیرستان وغیرہ کے علاقوں میں امن تباہ کیا

جارہا ہے‘ ہر طرف تباہی پھیلائی جارہی ہے۔ یہ یاد رکھیں کہ اس میں دراندازی باہر سے ہورہی ہے‘ دشمن کے ایجنٹ ہیں جو یہ کام کررہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آگ زیادہ سے زیادہ بھڑک جائے اور نیٹو فورسز کے ہاتھ بہانہ آ جائے کہ وہ پاکستان میں داخل ہو کر اس کے نیوکلیئر نظام اور ایٹمی طاقت کو یا تو ختم کر دیں یا کمزور کر دیں —— اس حوالے سے امریکہ کی سابق وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس کا بیان نوٹ کریں (اب وہ تو چلی گئی ہے لیکن ان کے ہاں پالیسیاں اشخاص کے ساتھ متعلق نہیں ہوتیں‘ یہ تو ادارے ہوتے ہیں جو پالیسیاں بناتے ہیں اور وہ چلتی رہتی ہیں۔) اس نے کہا تھا کہ پاکستان کے مستقبل کا فیصلہ ہم اور بھارت مل کر کریں گے۔ اگر ہمارے ایٹمی ہتھیاروں کا معاملہ خدانخواستہ ختم ہو جائے تو پھر ہم بھارت کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ (اعاذنا اللّٰہُ مِن ذٰلك!)

پس چہ باید کرد؟

اب سوال یہ ہے کہ اس کا علاج کیا ہے؟ اس کا جواب ایک لفظ میں دیا جا سکتا ہے اور وہ ہے ’’توبہ‘‘! یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ کوئی ہماری مدد نہیں کر سکتا اگر اللہ ہمارا ساتھ نہ دے اور کوئی ہم پر فتح حاصل نہیں کر سکتا اگر اللہ ہمارے ساتھ ہو۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (آل عمران)

’’(اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکے گا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے (یعنی تمہاری مدد سے دست کش ہو جائے) تو پھر ایسا کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے گا اس کے بعد؟ اور اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔‘‘

ہمارے ہاں کچھ لوگ چین کے اوپر بہت تکیہ کیے بیٹھے ہیں‘ حالانکہ چین تو یہاں کے بنیاد پرستوں کا سب سے زیادہ دشمن ہے۔ اسے ان سے بہت خطرہ ہے‘ کیونکہ اس کا بہت بڑا صوبہ سنکیانگ ہمارے قبائلی علاقوں کے ساتھ لگتا ہے۔ یہ صوبہ ایک زمانے میں عالمِ اسلام کا حصہ تھا۔ ہمارے طالب علمی کے دور میں دو علیحدہ علیحدہ ترکستان تھے: روسی

ترکستان اور چینی ترکستان۔ اب روسی ترکستان کے اندر تو پانچ چھ ریاستیں آزاد ہو گئی ہیں‘ لیکن چینی ترکستان تو ابھی بھی چین کے زیر نگیں ہے۔ اقبال نے کہا تھا ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر!

اور یہ کاشغر چین کے صوبہ سنکیانگ میں ہے۔ لال مسجد کے معاملے میں چین نے بھی پرویز مشرف کی پیٹھ ٹھونکی تھی کہ تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ اس لیے کہ اسلام سے سب ڈرتے ہیں‘ سب کو اندیشہ ہے کہ اگر کہیں اسلام کا نظام آ گیا تو سارے شیطانی نظام ختم ہو جائیں گے جیسے سورج کے طلوع ہونے کے بعد تاریکی ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے راستہ صرف ایک ہے اور وہ توبہ کا راستہ ہے۔

قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت تک منافقین کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا تھا۔ سورۃ التوبہ کے آنے کے بعد وہ دروازہ بند ہو گیا‘ لیکن سورۃ الاحزاب کے نزول تک بھی ان کے لیے ایک دروازہ کھلا تھا اب بھی ایمان لے آؤ‘ اب بھی باز آ جاؤ‘ اب بھی شرارتیں چھوڑ دو‘ اب بھی لوٹ آؤ‘ اب بھی اللہ کی جناب میں رجوع کرو‘ اللہ معاف کر دے گا۔ یہ ابھی ۴ ہجری کے دور کی باتیں ہو رہی ہیں‘ یعنی ان کے لیے ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ سورۃ النساء میں منافقین کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا﴾

’’یقیناً منافقین آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے‘ اور تم نہ پاؤ گے ان کے لیے کوئی مددگار۔‘‘

آگے ان منافقین کے لیے ایک رعایت کا ذکر ہے: ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ﴾ ’’سوائے ان کے جو (i) توبہ کر لیں اور (ii) اپنی اصلاح کر لیں اور (iii) چمٹ جائیں اللہ کے ساتھ اور (iv) اپنی عبادات کو خالص کر لیں اللہ کے لیے‘‘۔ یعنی سیاسی نظام اس کے تابع کر لیں‘ معاشی نظام اس کے تابع کر لیں اور معاشرتی اقدار اس کے تابع کر لیں۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ﴾ ’’تو پھر

ایسے لوگ مؤمنین میں ہی شمار ہوں گے۔’’﴿وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴿۱۴۶﴾﴾ ’’اور پھر عنقریب اللہ تعالیٰ ان مؤمنین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا‘‘— ہمارے سامنے بھی دونوں راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اسی منافقت پر چلتے رہیں تو عذاب کے سزاوار بن جائیں یا پھر توبہ کر کے اجرِ عظیم کے مستحق بن جائیں جس کا وعدہ ہمارے سامنے موجود ہے۔

اس کے بعد کی آیت بڑی عجیب ہے: ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ﴾ ’’(اے لوگو! ذرا سوچو) اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟‘‘ اللہ (معاذ اللہ) ایذا پسند (sadist) نہیں ہے کہ تمہیں عذاب دے کر اسے لطف آئے اور مسرّت و راحت ہو۔ اللہ کو تمہیں عذاب دے کر کیا لینا ہے؟ ﴿اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ﴾ ’’اگر تم شکر اور ایمان کی روش اختیار کرو‘‘۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴿۱۴۷﴾﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ بہت قدر دان ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔‘‘

کرنے کا اصل کام: توبہ

میں نے آغاز میں توبہ کے مراحل اور لوازم اجمالی طور پر بیان کیے تھے۔ اب ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہوں۔ توبہ کے تین مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ انفرادی توبہ کا ہے۔ اگر انفرادی توبہ اللہ قبول کر لے تو الحمد للہ‘ اور اگر اللہ کا عذاب ہم پر آنے والا ہے تو وہ آئے گا‘ اس کو نہ میں روک سکتا ہوں نہ آپ روک سکتے ہیں۔ یروشلم تین دفعہ اجڑا ہے‘ برباد ہوا ہے‘ کون روک سکا ہے؟ اسی طرح خانہ کعبہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں دو دفعہ منہدم ہوا ہے‘ ایک دفعہ یزید کے زمانے میں اُمویوں کے ہاتھوں اور اس کے بعد عبدالملک کے زمانے میں حجاج بن یوسف کے ہاتھوں۔ یہ تاریخی حقائق ہیں۔ بہرکیف اگر اللہ ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ کرے اور ہم اللہ کی خیر کو پکار سکیں‘ اللہ کی رحمت کو دعوت دے سکیں تو کرنے کا پہلا کام یہ ہے کہ اپنے دامن اخلاق کو رذائل سے پاک کریں۔ جھوٹ‘ وعدہ خلافی‘ غبن‘ دھوکہ‘ فریب‘ تہمتیں‘ سب سے اپنے آپ کو پاک کریں۔ دوسرا کام یہ ہے کہ پوری شریعت کی پابندی اپنے اوپر لازم کریں۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ احکامِ شریعت تو مان لیے کہ نماز‘ روزہ‘ زکوٰۃ اور حج کی حد تک تو شریعت قابل قبول ہے مگر سودی کاروبار کا کیا کریں کہ

اس کے بغیر تو گزارا ممکن نہیں‘ اس کے بغیر تو کاروبار نہیں چلتا۔ یہودیوں کے اس طرزِ عمل (کہ کچھ احکام پر عمل کر لو اور کچھ کو چھوڑ دو) کے بارے میں قرآن نے فرمایا ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ﴾ (البقرۃ:۸۵)

’’تو کیا تم کتاب (یعنی شریعت) کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے؟ تو (سن لو) تم میں سے جو کوئی یہ کام کرے گا اُس کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی سوائے دنیا کی زندگی میں ذلّت و رسوائی کے۔ اور قیامت کے روز وہ لوٹا دیے جائیں گے شدید ترین عذاب کی طرف۔‘‘☆

☆ یہ ایک بہت بڑی آفاقی سچائی (universal truth) بیان کر دی گئی ہے‘ جو آج اُمتِ مسلمہ پر صد فی صد منطبق ہو رہی ہے۔ آج ہمارا طرزِ عمل بھی یہی ہے کہ ہم پورے دین پر چلنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم میں سے ہر گروہ نے کوئی ایک شے اپنے لیے حلال کر لی ہے۔ ملازمت پیشہ طبقہ رشوت کو اس بنیاد پر حلال سمجھے بیٹھا ہے کہ کیا کریں‘ اس کے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔ کاروباری طبقہ کے نزدیک سود حلال ہے کہ اس کے بغیر کاروبار نہیں چلتا۔ یہاں تک کہ یہ جو طوائفیں ’’بازارِ حسن‘‘ سجا کر بیٹھی ہیں وہ بھی کہتی ہیں کہ کیا کریں‘ ہمارا یہ دھندا ہے‘ ہم بھی محنت کرتی ہیں‘ مشقت کرتی ہیں۔ ان کے ہاں بھی نیکی کا ایک تصور موجود ہے۔ چنانچہ محرم کے دنوں میں یہ اپنا دھندا بند کر دیتی ہیں‘ سیاہ کپڑے پہنتی ہیں اور ماتمی جلوسوں کے ساتھ بھی نکلتی ہیں۔ ان میں سے بعض مزاروں پر دھمال بھی ڈالتی ہیں۔ ان کے ہاں اس طرح کے کام نیکی شمار ہوتے ہیں اور جسم فروشی کو یہ اپنی کاروباری مجبوری سمجھتی ہیں۔ چنانچہ ہمارے ہاں ہر طبقے میں نیکی اور بدی کا ایک امتزاج ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا مطالبہ کُلی اطاعت کا ہے‘ جزوی اطاعت اس کے ہاں قبول نہیں کی جاتی‘ بلکہ الٹا مُنہ پر دے ماری جاتی ہے۔ آج اُمتِ مسلمہ عالمی سطح پر جس ذلّت و رسوائی کا شکار ہے اس کی وجہ یہی جزوی اطاعت ہے کہ دین کے ایک حصے کو مانا جاتا ہے اور ایک حصّے کو پاؤں تلے روند دیا جاتا ہے۔ اس طرزِ عمل کی پاداش میں آج ہم ’’ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ‘‘ کا مصداق بن گئے ہیں اور ذلّت و مسکنت ہم پر تھوپ دی گئی ہے۔ باقی رہ گیا قیامت کا معاملہ تو وہاں شدید ترین عذاب کی وعید ہے۔ اپنے طرزِ عمل سے تو ہم اُس کے مستحق ہو گئے ہیں‘ تاہم اللہ تعالیٰ کی رحمت دستگیری فرمالے تو اُس کا اختیار ہے۔ (اقتباس از: بیان القرآن‘ ڈاکٹر اسرار احمدؒ‘ ج ۱‘ ص ۱۹۰)

اس آیت میں جو اخلاقی سبق (moral lesson) دیا جا رہا ہے وہ ابدی ہے اور جہاں بھی شریعت کے معاملے میں آدھا تیتر آدھا بٹیر کا سا طرزِ عمل اختیار کیا جائے گا' تاویل عام کے اعتبار سے یہ سزا اُس پر منطبق ہوگی' چاہے یہ کام یہودی کریں یا مسلمان — قرآن نے تو مکمل اطاعت کا حکم دیا ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪﴾ (البقرۃ:۲۰۸) ''اے اہلِ ایمان! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ''۔ یہاں یہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ شریعت کے جس حکم پر عمل ہو سکتا ہو اور ہم نہ کریں تو مجرم ہم خود ہیں۔ یہاں ایسا کوئی آرڈیننس نافذ نہیں ہے کہ پردہ غیر قانونی ہے اور پردہ کرنے والی خواتین کو سزا دی جائے گی۔ یہ کام مصطفیٰ کمال پاشا نے ضرور کیا تھا' شہنشاہِ ایران نے بھی کیا تھا' جبکہ ہمارے ہاں بھی پرویز مشرف آیا تھا مصطفیٰ کمال پاشا کا نام لیتا ہوا لیکن اسے یہ جرأت نہیں ہوئی اور یہاں ایسا کوئی حکم نامہ نہیں آیا۔ اب بھی اگر ہم نے پردہ چھوڑا ہے تو خود چھوڑا ہے' لہٰذا مجرم بھی ہم خود ہیں۔ اسی طرح سود کا غبار اور دخان تو میرے اور آپ کے اندر جائے گا ہی' لیکن براہِ راست تو ملوث نہ ہوں۔ بینکوں میں رقم رکھ کر اس پر سود لے کر نہ کھائیں یا سود پر رقم لے کر کاروبار تو نہ چمکائیں۔

ان حالات میں کرنے کا تیسرا کام یہ ہے کہ اسلام کا نظام قائم کرنے کے لیے جدّوجُہد کا عزم مصمّم ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۶۲﴾ (الانعام) کی شان کے ساتھ کریں۔ یہ کام چونکہ اکیلے ہو نہیں سکتا اس لیے کسی نہ کسی جماعت میں شریک ہو کر جدّوجُہد کریں۔ اس کے بعد چوتھا کام یہ ہے کہ اللہ سے دعا مانگی جائے۔ اگر آپ ماقبل بیان کردہ تینوں کام یا ان میں سے کوئی ایک کام نہیں کرتے تو آپ کی دعا آپ کے منہ پر دے ماری جائے گی۔ اگر دعا کے تقاضے پورے نہ کیے جائیں تو اللہ تعالیٰ ایسی دعائیں سنتا ہی نہیں ہے۔ ایک کڑوی بات کہہ رہا ہوں کہ جب سقوطِ ڈھاکہ ہو رہا تھا تو حرمین میں رو رو کر لوگ دعائیں مانگ رہے تھے' یہاں پر چالیس دن تک قنوت نازلہ پڑھی گئی' لیکن کیا سنی اللہ نے؟ اللہ نے دعائیں ہمارے مُنہ پر دے ماریں کہ تم ہو کون؟ تم نے تو میرے دین کو اپنے پاؤں تلے روندا ہوا

ہے' تمہاری دوستیاں شیطانوں اور میرے دشمنوں کے ساتھ ہیں۔ میں نے حکم دیا تھا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ﴾ (النساء:۱۴۴) ''اے ایمان والو! مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست مت بنانا''۔ اور ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ ۘ﴾ (المائدۃ:۵۱) ''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنے دوست مت بناؤ''۔ جبکہ ہماری دوستیاں تو ان ہی کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا نتیجہ بھی بتایا ہے: ﴿لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ﴾ (آل عمران:۲۸) ''اہلِ ایمان نہ بنائیں کافروں کو اپنے دوست اہل ایمان کو چھوڑ کر' اور جو کوئی بھی یہ حرکت کرے گا تو پھر اللہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا''۔ اب ہماری دوستیاں اللہ کے دشمنوں کے ساتھ ہیں' لہٰذا ہمارا اللہ سے کوئی رشتہ و تعلق نہیں رہا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا قبول ہو سکتی ہے اگر تم توبہ کر لو' خالص توبہ! توبہ کی وہ چار شرائط پوری ہوں جو میں گنوا چکا ہوں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کو اپنے کیے پر پچھتاوا ہو کہ ہماری زندگی غلط کاموں میں گزر گئی ہے' ہم بھول گئے ہیں' ہم نے پاکستان کے قیام کے مقصد کو پیش نظر نہیں رکھا' ہم نے زیادہ سے زیادہ کما لینا' زیادہ سے زیادہ کھا لینا اور عیش و عشرت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا' اے اللہ ہمیں بخش دے' ہمیں معاف کر دے' ہمیں مہلت عطا کر دے!

پاکستان کی دینی جماعتیں اور تنظیم اسلامی

میں عام طور پر یہ بات کہا کرتا ہوں کہ جماعت کو تلاش کرنا آپ کا کام ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ ملک میں اتنی ساری جماعتیں ہیں' کس میں شامل ہوں؟ تو میں ایک جواب یہ دیا کرتا ہوں کہ دیکھو بھائی! جوتا تمہاری ضرورت ہے' تم اس کے لیے دس دکانیں پھرتے ہو یا نہیں؟ کبھی یہ نہیں کہتے کہ پتا نہیں کہاں سے اچھا ملے گا؟ لہٰذا میں تو ننگے پاؤں ہی ٹھیک ہوں! آؤ' دیکھو' تلاش کرو کہ واقعتاً اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے کون سی جماعت کام کر رہی ہے۔ یہ ضرور دیکھیں کہ اس جماعت کا کوئی سیاسی مقصد نہ ہو'

کوئی فرقہ وارانہ معاملہ نہ ہو خالصتاً اللہ کے دین کے لیے جدّوجُہد ہو۔ پھر اس کے لیے منہاج‘ طریقہ کار سیرت رسول ﷺ سے اخذ کیا گیا ہو۔ تلاش کیجیے اور اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا تاکیدی وعدہ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ﴾ (العنکبوت:۶۹) ’’جو ہماری راہ میں کوشش کریں تو ہم لازماً ان کو اپنے راستے دکھائیں گے‘‘۔ یعنی ان کی رہنمائی کریں گے‘ ان کے لیے اپنے راستے کھول دیں گے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ البتہ آپ پہلے سچے دل کے ساتھ عزم کریں اور یہ طے کریں کہ میری زندگی کا اوّلین مقصد اور ترجیح اللہ کے دین کو قائم کرنا ہے جبکہ میرا کیریئر‘ میرا کاروبار‘ میرے دوسرے دنیاوی مفادات‘ میرے کنبے اور خاندان کے معاملات دوسرے نمبر پر ہیں۔ اللہ کے دین کو قائم کرنا اپنی پہلی ترجیح بنالیں اور اس کا پختہ عزم کر لیں تو پھر اللہ یقیناً راستے کھول دے گا۔

اس وقت میرے سامنے ایک حدیث نبویؐ ہے جو میں آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ)) (۱)

’’تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ جو چیز وہ اپنے لیے پسند کر رہا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرے۔‘‘

میں نے اپنے لیے تنظیم اسلامی پسند کی ہے اور میں اس کا بانی بھی ہوں‘ لیکن اب میں اس میں شامل ہوں۔ اب تو میں خود اس کے امیر کے ہاتھ پر بیعت ہوں۔ میں پوری دیانت داری کے ساتھ اسی کو بہتر سمجھتا ہوں۔ میرے سامنے اس وقت اور کوئی جماعت نہیں ہے‘ اگر ہوتی تو میں کبھی بھی کوئی دوسری جماعت قائم نہ کرتا‘ کیونکہ میرے نزدیک یہ فساد ہے۔ پہلے میں جماعت اسلامی میں تھا۔ جماعت اسلامی نے سیاسی ٹرن لے لیا‘ انتخابات کے چکر میں پڑ کر اپنی منزل کھوٹی کر لی۔ میں نے ماچھی گوٹھ میں اپنا اختلاف ان سے بیان کیا‘ ۲۵۰ صفحے کا مقالہ لکھ کر پیش کیا کہ خدا کے لیے لوٹو‘ غلط راستے پر آ گئے ہو‘

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الایمان‘ باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب الدلیل علی ان من خصائص الایمان ان یحب لاخیہ.....

اپنے انقلابی (revolutionary) طریقہ کار کو دوبارہ اپناؤ۔ یہ ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت تھی‘ اس کو اب آپ نے اسلام پسند سیاسی عوامی جماعت بنا لیا ہے۔ اس کے بعد میں ان سے علیحدہ ہوا ہوں اور پھر اپنی جماعت بنائی ہے۔ متذکرہ بالا حدیث کی رو سے میں آج آپ کو بھی اسی میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔

اس میں شامل ہونے کے بعد یہ عہد کریں کہ اللہ کے نظام کو نافذ کرنے کی دعوت دیں گے۔ اگر اللہ کو منظور ہو اور لوگوں کا رجحان ہماری جانب ہو جائے تو کیا عجب کہ اللہ ہمارے ذریعے یہاں اسلامی انقلاب لے آئے۔ آخر ہر بڑی چیز شروع میں چھوٹی ہوتی ہے۔ ہمارے سامنے تو یہ مثال بھی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک دعوت دیتے رہے اور نتیجہ صفر نکلا۔ اگر بالفرض ہمارا نتیجہ بھی صفر نکلے‘ لیکن ہم اس کام کو کرتے ہوئے جان دے دیں تو اللہ کی قسم‘ ہم کامیاب ہیں۔ اگر میرا خاتمہ اسی انداز میں ہو تو ربّ کعبہ کی قسم‘ میں کامیاب ہوں! ایسا نہ ہو کہ کہیں کوئی فتنہ آئے اور میں اس میں مبتلا ہو جاؤں (اللہ تعالیٰ فتنوں سے بچائے رکھے) جس طرح میں ہوں اگر اسی پر میری جان نکلے تو میں کامیاب ہوں‘ ان شاء اللہ!

کیا عجب‘ اللہ ہماری اجتماعی توبہ قبول کر لے!

اس اعتبار سے کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری اجتماعی توبہ کے قبول ہونے کا سامان پیدا ہو جائے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ پاکستان معجزے سے بنا تھا اور دو مرتبہ معجزوں سے بچا بھی ہے۔ سن ۱۹۶۵ء میں تو ہندو فوج نے ہمارے جم خانہ کلب میں شام کو شراب پینے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ لندن میں موجود میرے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد کا مجھے فون آیا تھا کہ بی بی سی ٹی وی نے دکھایا ہے کہ بھارت نے لاہور فتح کر لیا ہے اور بھارتی فوج لاہور میں داخل ہو گئی ہے۔ ہوا یوں تھا کہ ہمارے ہاں ڈبل ڈیکر بسیں ہوا کرتی تھیں جبکہ انڈیا میں نہیں تھیں۔ ہندو افواج واہگہ کے قریب سے دو چار بسیں قبضے میں کر کے لے گئے تھے اور انہیں اپنی سڑکوں پر چلا کر دکھا دیا کہ یہ لاہور ہے اور لاہور اس وقت ہمارے قبضے میں ہے۔ اُس وقت ہماری طرف سے کوئی مزاحمت تھی ہی نہیں۔

وہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہوا اور ﴿سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ (الانفال:۱۲) ''میں ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا'' کے مصداق اُن کے دلوں میں ایسا رُعب پڑا کہ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ہمیں کوئی روک ہی نہیں رہا' شاید ہمیں گھیرے میں لیا جا رہا ہے اور وہ اسی سوچ بچار میں تھے کہ ہماری فوج وہاں پہنچ گئی۔ یعنی اس وقت بھی اللہ نے معجزے سے بچایا۔

اسی طرح ۱۹۷۱ء میں اللہ تعالیٰ نے بچایا۔ ۱۹۷۱ء میں سقوطِ ڈھاکہ کے بعد بھارت کو مغربی پاکستان پر قبضہ جمانے کے لیے زیادہ سے زیادہ چھ دن درکار تھے۔ اُس وقت ہمارا مورال پاتال میں اور ان کا مورال آسمان پر تھا۔ ہمارا سیالکوٹ سیکٹر ٹوٹ چکا تھا' راجستھان سیکٹر ٹوٹ چکا تھا' صرف ٹکا خان سلیمانکی ہیڈ ورکس پر ایک ٹاسک فورس لے کر بیٹھا ہوا تھا۔ ہماری ایئر فورس انہوں نے مفلوج کر دی تھی' اس لیے کہ روس نے ان کو آواکس قسم کے ہیلی کاپٹر دے دیے تھے کہ ہمارا جہاز جہاں ذرا بھی حرکت کرتا انہیں معلوم ہو جاتا تھا۔ ہمارے بحری جہاز کو وہ کیماڑی میں آ کر مار گئے تھے۔ یہاں پھر اللہ تعالیٰ کی اسی مشیّت کا ظہور ہوا' جو حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ آدَمَ کُلَّھَا بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ کَقَلْبٍ وَاحِدٍ یُصَرِّفُہٗ حَیْثُ یَشَاءُ)) (۱)

''تمام انسانوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں ایک دل کی مانند' اللہ جدھر چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے''۔☆

اللہ تعالیٰ نے اُس وقت نکسن کے دل کو پھیرا اور اُس نے ہاٹ لائن پر کوسیجن کو فون کیا جس نے ہاٹ لائن پر اندرا گاندھی کو فون کیا اور کہا بس' اب ختم کرو! تو اس طرح انڈیا نے یک طرفہ طور پر جنگ بندی کر دی۔ اگر نکسن خاموش بیٹھا رہتا تو پاکستان ختم ہو

(۱) صحیح مسلم' کتاب القدر' باب تصریف اللّٰہ تعالیٰ القلوب کیف یشاء۔

☆ اس حدیث کے آخر میں ایک دعا بھی موجود ہے: ((اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ)) ''اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے۔'' (مرتب)

جاتا۔ تو یاد رکھیے کہ اللہ نے پاکستان کو معجزے سے بنایا اور دو مرتبہ معجزہ سے ہی بچایا۔ اب بھی معجزہ ہو سکتا ہے۔ اللہ کی قدرت ختم تو نہیں ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت تو اتنا ہے' وہ جو چاہے کرے۔ ہاں اس کی رحمت کو پکارنے کا طریقہ' میں نے آپ کو تفصیل سے بتا دیا ہے۔

عذاب کے آثار نمودار ہو جانے کے بعد بھی اجتماعی توبہ کے قبول ہونے کی مثال تاریخ میں ملتی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ایسا ہو چکا ہے۔ حضرت یونسؑ دجلہ اور فرات کے درمیان کسی شہر میں بھیجے گئے' قوم نے آپؑ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا تو حضرت یونس علیہ السلام مایوس ہو گئے اور انہیں یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ اب عذابِ الٰہی تو آ کر رہے گا' لیکن اللہ کی طرف سے آپؑ کو وہاں سے جانے کی ابھی اجازت نہیں ہوئی تھی' آپؑ اپنی حمیت حق کے جوش میں کہ لوگ مان نہیں رہے' قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کا ایک فائدہ اللہ نے قوم کو دے دیا۔ جب قوم نے عذاب کے آثار دیکھے تو وہ گھروں سے نکل آئی اور انہوں نے جان لیا کہ یونس علیہ السلام جس عذاب سے ڈراتے تھے وہ اب آ گیا ہے۔ وہ چلائے' چیخے' روئے کہ اے اللہ ہماری توبہ قبول کر لے! تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ لیکن یہ نوعِ انسانی کی تاریخ میں ایک ہی دفعہ ہوا ہے۔ سورۂ یونس (آیت ۹۸) میں اس کا ذکر موجود ہے: ﴿فَلَوْلَا کَانَتْ قَرْیَۃٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَھَآ اِیْمَانُھَآ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ؕ﴾ یہاں ''بعد ظھور العذاب'' کے الفاظ محذوف ہیں۔ اس کا ترجمہ اس طرح ہو گا: ''کیا ایسی کوئی مثال ہے کہ ایک بستی (عذاب کے ظاہر ہونے کے بعد) ایمان لائی ہو اور اس کے ایمان نے اس کو فائدہ دیا ہو سوائے یونس کی قوم کے''۔ ﴿لَمَّآ اٰمَنُوْا کَشَفْنَا عَنْھُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰھُمْ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۹۸﴾﴾ ''جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان پر دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ہٹا دیا اور ان کو ایک خاص مدت کے لیے مہلت دے دی''۔ عذاب کے آثار ظاہر ہونے کے بعد ایمان لانا اللہ کو قبول نہیں ہے لیکن اس میں استثناء ہے قوم یونس کا۔ ان پر عذاب کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے' لیکن انہوں نے اجتماعی توبہ کی تو اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا' عذاب کو ٹال دیا اور ان کو کچھ مہلت دے دی — اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مہلت

دے سکتا ہے' لیکن اس مہلت کا فائدہ اگر میں اور آپ نہیں اٹھاتے' اگر کمر نہیں کستے' اگر اللہ کے دین کے غلبہ و سربلندی کے لیے جدوجہد کو اپنی زندگی کا مقصود نہیں بناتے تو پھر ہمارے لیے افسوس اور پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

خلاصۂ کلام

آج میں نے امکانی حد تک توبہ کے بارے میں ترغیب وتشویق کا پہلو سامنے رکھا ہے اور مایوس نہ ہونے کی تلقین کی ہے' کیونکہ مایوسی کفر ہے۔ اس ضمن میں' میں نے یہ قرآنی آیت بھی سنائی: ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ﴾ ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ سب گناہوں کو بخشنے والا ہے''۔ اور بہت سی احادیث بھی پیش کیں کہ آپ نے کتنے ہی گناہ کیے ہوں' خواہ ۹۹ یا سو قتل کیے ہوں تب بھی توبہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائے گا' اور کس شان کے ساتھ قبول فرمائے گا' وہ بھی میں نے اُس متفق علیہ حدیث کی روشنی میں بیان کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیں لوگوں کو توبہ کی ترغیب دینی چاہیے' توبہ کی منادی کرنی چاہیے۔ پھر جو لوگ ''صحیح معانی'' میں توبہ کرلیں ان کو چاہیے کہ ایک طرف تو وہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدّوجُہد شروع کر دیں' اس میں پیچھے نہ رہیں' اس لیے کہ یہ سلطنت خداداد پاکستان اس وقت نہایت نازک موڑ پر ہے' بمصداق ؎

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دعا ہے
اُمّت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے!

میں اپنے احساسات آپ کے سامنے بیان نہیں کرسکتا۔ جب یروشلم کی تباہی ہوئی تھی جس کا میں نے ذکر کیا ہے کہ چھ لاکھ انسان قتل ہوئے تھے اور چھ لاکھ کو بخت نصر ہانک کر بھیڑ بکریوں کی طرح بابل لے گیا تھا' اس سے پہلے اہلِ کتاب کے کتنے ہی نبی ان سے کہتے رہے تھے کہ ہوش کرو' توبہ کرلو! ایک جگہ تو یہاں تک الفاظ ہیں: ''درخت کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا جاچکا ہے' اب تو ہوش میں آ جاؤ''۔ لیکن وہ ہوش میں نہیں آئے۔ دنیا پرستی' نفس پرستی ان پر اس قدر مسلّط ہو چکی تھی کہ اس نے انہیں توبہ نہیں کرنے دی' تو تباہی اور

بربادی ان کا مقدر بن گئی۔

آج ہماری نگاہوں کے سامنے عراق کے ساتھ کیا ہو رہا ہے' حالانکہ اس کا کوئی جرم بھی نہیں ہے' جبکہ ہم تو بڑے بڑے جرم کر چکے ہیں۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ پوری دنیا کے اندر ہم ایٹمی صلاحیت کو پھیلنے نہیں دیں گے' جبکہ ان کی نگاہ میں ہمارا عمل اس کے خلاف جا رہا ہے۔ ایک خاص وقت میں افغانستان میں انہیں اپنے اصل دشمن سوویت یونین کی طاقت کو ختم کرنے کے لیے ہماری ضرورت تھی۔ اس کے بعد انہوں نے ہم سے منہ پھیر لیا تھا اور ہم اللہ کی رحمت سے ایٹمی طاقت بن گئے۔ پاکستان نے جب ایٹمی دھماکے کیے تو شاہ عبداللہ نے نواز شریف سے کہا تھا کہ یہ ایٹم بم صرف آپ کا نہیں ہے بلکہ یہ پوری اُمّتِ مُسلمہ کا ہے —— یہودی اور ان کے آلہ کار عیسائی خاص طور پر WASP یہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ پاکستان ترقی کرے اور اس کا ایٹم بم پوری مسلم دنیا کا ایٹم بم گنا جائے۔ تو سمجھ لیجیے کہ پاکستان کی جڑوں پر بھی تیشہ رکھا جا چکا ہے۔ میرے احساسات کی اس سے کم الفاظ میں تعبیر نہیں ہوسکتی' لیکن یہ یاد رکھیں کہ اب بھی ایک امکان موجود ہے کہ توبہ کرو اور توبہ کراؤ' مل جل کر طاقت بنو' کوشش کرو کہ یہاں اسلام کا نظام آ جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اے اللہ! ہمیں مہلت عطا فرما دے' اے اللہ' ہمیں اتنی مہلت عطا فرما دے کہ ہم تجھ سے کیا گیا عہد پورا کریں اور پاکستان میں تیرے نبی ﷺ کا لایا ہوا مکمل نظام' خلافت راشدہ کے طرز پر نافذ کرسکیں۔ آمین یا ربّ العالمین!

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ OO

جہاد فی سبیل اللہ
اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا انقلابی فکر اور منہج

انجینئر نوید احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۔۲۰ مارچ ۲۰۱۱ء کو قرآن آڈیٹوریم میں ''ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی قرآنی' دینی اور ملی خدمات'' کے عنوان سے دو روزہ محاضراتِ قرآنی کا اہتمام کیا گیا۔ محاضرات کے پہلے سیشن میں قرآن اکیڈمی کراچی کے اکیڈمک ڈائریکٹر انجینئر حافظ نوید احمد صاحب نے بھی اظہار خیال فرمایا۔

محترم حاضرین! میرے لیے اعزاز ہے کہ میں آج اِس مجلس میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کے شاگرد کی حیثیت سے اُن کے انقلابی فکر اور منہج کے موضوع پر گزارشات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ بلا مبالغہ محترم ڈاکٹر صاحبؒ کے شاگردوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ اُن میں سے کئی مجھ سے زیادہ باصلاحیت ہیں۔ اِس کے باوجود اگر صدر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور جناب ڈاکٹر ابصار احمد صاحب نے مجھے اِس اعزاز کے قابل سمجھا ہے تو میں اُن کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ پھر میں امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید صاحب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کے فیصلہ کی توثیق فرمائی۔

محترم حاضرین! اصل موضوع پر گفتگو سے قبل میں آپ کی توجہ اِس بات کی طرف مبذول کرانا چاہوں گا کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ جہاں حالات کی سنگینی اور نزاکت کا احساس دلا کر ہمارے اندر جذبہ عمل پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے وہیں تصویر کا روشن پہلو بیان کر کے ہمیں قوتِ عمل بھی فراہم کرتے تھے۔ وہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے: ؎

اے آندھیو! سنبھل کے چلو اِس دیار میں   امید کے چراغ جلائے ہوئے ہیں ہم!

''اِس دیار'' کے حوالے سے وہ کہا کرتے تھے کہ محسوس ہوتا ہے کہ گیارہویں صدی ہجری سے اللہ نے اِس سرزمین برعظیم کو اپنے دین کی خدمت کے لیے چُن لیا ہے۔ بقول اقبال ؎

میرِ عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے   میرا وطن وہی ہے' میرا وطن وہی ہے!

پچھلے چار سو سال سے جس پایہ کے دین کے خادم اِس سرزمین میں پیدا ہوئے اُن کی مثال پورے عالم اسلام میں کہیں نہیں ملتی۔ گیارہویں صدی ہجری میں شیخ احمد سرہندیؒ المعروف مجدد الف ثانی جنہوں نے اکبر جیسے جابر سلطان کے دربار میں کلمۂ حق کہا اور دینِ الٰہی کے نام پر اُٹھنے والے فتنہ کی کمر توڑ دی۔ بارہویں صدی ہجری میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ جیسی جامع الصفات ہستی جنہوں نے اِس سرزمین میں نہ صرف علومِ دینی کے شجرہ طیبہ کی آبیاری کرتے ہوئے اُس کی جڑوں کو مضبوط کیا اور اُس کی شاخوں کو بلندیوں تک پہنچایا بلکہ دین اسلام کے انقلابی فکر کو بھی بڑی جرأت کے ساتھ کھول کھول کر واضح کیا۔ تیرہویں صدی ہجری میں سید احمد بریلوی شہیدؒ نے عسکری جہاد کی تابناک روایت کو بڑی بہادری سے زندہ کر کے دورِ صحابہؓ کی یاد تازہ کر دی۔ چودھویں صدی ہجری میں تو کئی عظیم شخصیات اِس خطہ میں نظر آتی ہیں۔ شیخ الہند محمود حسنؒ جیسی عالم ومجاہد ہستی جنہوں نے فرنگی استعمار کے خلاف جہاد کرنے کا مقدس مشن شروع کیا لیکن اپنوں کی غداری کی وجہ سے بڑھاپے کے عالم میں پورے پانچ برس مالٹا میں اسیری کی صعوبت برداشت کی۔ واپسی پر ایک طرف رجوع الی القرآن کے لیے عوامی درسِ قرآن کی تحریک برپا کرنے کا تصور دیا اور دوسری طرف علی گڑھ اور دیوبند میں خلیج کو دور کرنے کی مبارک کوشش کی۔ علامہ اقبال جیسے مفکر جن کے انقلابی فکر نے مشرق ومغرب کی اقوام کو ولولۂ تازہ دیا۔ مولانا مودودیؒ جیسے مصنف جن کی تحریروں نے دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں کو فکری غذا فراہم کی۔ مولانا الیاسؒ جیسے مبلغ جن کی شروع کردہ تبلیغی حرکت آج بھی انتہائی زور وشور سے پوری دنیا میں جاری وساری ہے۔ اِسی طرح ڈاکٹر اسرار احمدؒ جیسے مدرسِ قرآن کہ الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ جن کے دروسِ قرآن نے پوری دنیا میں لوگوں کا قرآن سے تعلق نہ صرف زندہ بلکہ مضبوط کیا۔

بلاشبہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ ایک ایسے عظیم مدرسِ قرآن تھے جن کے دروسِ قرآن میں بے پناہ تاثیر تھی۔ وہ اگر اپنی مساعی کو صرف درس وتدریس تک محدود رکھتے تو بہت بڑے پیمانے پر پذیرائی حاصل کرتے اور داد وتحسین کے بھرپور القابات وکلمات سے نوازے جاتے۔ لیکن موصوف درس وتدریس تک محدود رہنے کو گوشۂ عافیت اور عملی ذمہ داریوں سے فرار کی صورت سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں تعلیماتِ قرآنی کے انقلابی فکر کا فہم بھی عطا فرمایا اور اُن پر سیرت النبی ﷺ سے اِس انقلابی فکر کے نفاذ کا انقلابی منہج بھی واضح فرما دیا۔ لہٰذا وہ اِس انقلابی

فکر کو سیرۃ النبی ﷺ کے انقلابی منہج کے مطابق جاری وساری کرنے کے لیے سرگرم ہو گئے۔ اِس عملی کام کے لیے اُن کے دروسِ قرآن کے سامعین میں سے کم ہی تعاون پر تیار ہوئے۔ پھر اُنہیں روایتی مذہبی حلقوں' روشن خیال سیکولر دانشوروں اور متجدّدین کی مخالفت کا بھی بھرپور سامنا کرنا پڑا' لیکن زندگی کے آخری سانس تک اُن کی کیفیت یہ رہی ہے کہ ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن' چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروانہ

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی جوانی کا تو عالم ہی کچھ اور تھا' اُن کے بڑھاپے میں بھی غلبہ و اقامتِ دین کے لیے ایسا جوش و ولولہ تھا کہ جس کا عشرِ عشیر ہم اپنی جوانیوں میں بھی نہیں پاتے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا انقلابی فکر

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے قرآنِ حکیم اور سنّتِ رسول ﷺ سے جو انقلابی فکر اَخذ کیا اُس کا خلاصہ کچھ اِس طرح ہے:

(i) تعلیماتِ قرآنی اور توضیحاتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اللہ کا عطا کردہ ایک مکمل ضابطۂ حیات صرف اور صرف اسلام ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدۃ:۳)

''آج کے دن میں نے مکمل کر دیا تمہارے لیے تمہارا دین اور میں نے پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا تمہارے لیے اسلام کو بطور دین۔''

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران :۱۹)

''بیشک اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے۔''

گویا اسلام دین یعنی مکمل ضابطۂ حیات (A Complete System of Life) ہے' جبکہ دیگر الہامی تصورات کی دستیاب صورت مغربی تصورِ مذہب کے مطابق مذاہب (Relegions) کی ہے۔ عیسائیت اور یہودیت بھی اپنے اپنے دور کے اعتبار سے دین تھے لیکن موجودہ صورت میں نہ صرف تحریف شدہ بلکہ مسخ شدہ مذاہب ہیں۔ عیسائیوں نے تو سینٹ پال کی سازش کے تحت شریعت کو ساقط ہی کر دیا۔ واحد دین اسلام ہے جو حیاتِ انسانی کے انفرادی اور اجتماعی یعنی جملہ گوشوں سے متعلق رہنمائی فراہم کرتا ہے' جبکہ دیگر مذاہب انسان کی صرف انفرادی زندگی

کے گوشوں میں تعلیمات دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ کسی مذہب کی کتاب کا اصل متن تک محفوظ نہیں ہے۔

(ii) اسلام پر صحیح معنوں میں عمل اُسی وقت ممکن ہے جب کہ اِس کے انفرادی احکامات کے ساتھ ساتھ اِس کی اجتماعی زندگی سے متعلق تعلیمات کو بھی نافذ کیا جائے۔

(iii) اسلام کے اجتماعی احکامات کا نفاذ پُر امن طریقہ سے نہیں بلکہ مخالف قوتوں کے ساتھ کشمکش اور تصادم کے بعد ہی ہوگا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ظالمانہ اور استحصالی نظام ازخود جڑیں نہیں چھوڑا کرتا۔ اِس نظام سے با اختیار طبقہ کے کچھ مفادات اور چودھراہٹیں وابستہ ہوتی ہیں۔ یہ طبقہ دوسروں کے حقوق غصب کر کے عیاشی کر رہا ہوتا ہے۔ یہ طبقہ آسانی سے اپنے مفادات سے دستبردار نہیں ہوتا اور اِسے نظام کی تبدیلی کا نعرہ انتہائی ناگوار محسوس ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی تحریک اِس طبقہ کے ظلم کو ختم کرنے کے لیے اُٹھتی ہے تو یہ طبقہ اپنے مفادات کے تحفّظ کی خاطر اِس تحریک کو کچلنے کے لیے پوری قوت صرف کرتا ہے اور یوں تصادم کا مرحلہ آ کر رہتا ہے۔ اگر مقصد صرف افراد کی اصلاح اور اُن کا تزکیۂ نفس ہو تو پھر درس گاہیں اور خانقاہیں بنا کر بھی مقصد پورا کیا جا سکتا ہے۔ مخالفت اِس کام میں بھی ہو سکتی ہے لیکن اِسے جھیل کر کام جاری رکھا جا سکتا ہے اور کسی خون ریزی کی نوبت نہیں آتی۔ البتہ اگر پیشِ نظر وہ کام ہے جس کے لیے اللہ نے رسولوں کو بھیجا' یعنی ظالمانہ نظام کو ملیا میٹ کر کے عادلانہ نظام قائم کرنا ہو تو پھر میدان میں آنا پڑے گا' باطل سے پنجہ آزمائی کرنی پڑے گی اور جان کی بازیاں لگانی پڑیں گی۔ نظام کی تبدیلی تصادم کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ حقیقت سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ میں بیان ہوئی ہے جسے ڈاکٹر صاحبؒ پوری تاریخِ انسانی کے انقلابی لٹریچر میں واضح ترین انقلابی آیت قرار دیتے تھے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾﴾

''بلاشبہ ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ اور ہم نے نازل کیں اُن کے ساتھ کتابیں اور ترازو (نظامِ عدل) تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں' اور ہم نے لوہا

بھی اُتارا ہے جس میں شدید جنگ (یعنی جنگی قوت) ہے اور لوگوں کے لیے دیگر فائدے بھی ہیں' تاکہ اللہ ظاہر کردے کہ کون غیب میں رہتے ہوئے اُس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔''

اِس آیتِ مبارکہ میں انقلابی مضمون اپنے عروج پر ہے۔ تصادم کی بات کہنا آسان نہیں ہے۔ دنیا میں جنگ اور خون ریزی کو پسند نہیں کیا جاتا' ٹھنڈی ٹھنڈی بات اور صرف دعوت وتبلیغ کے بیان ہی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن سورۃ الحدید کی اِس آیتِ مبارکہ میں اِس تلخ حقیقت کو بالکل کھلے انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔ تجربات شاہد ہیں کہ استحصال اور جبر کرنے والے طبقات کبھی بھی پُرامن طور پر اپنے مفادات چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے۔ بقول شاعر ؎

زورِ بازو آزما' شکوہ نہ کر صیاد سے
آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے

(iv) تصادم میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ ایک منظم اور تربیت یافتہ جماعت فراہم کی جائے۔ یہ کام بغیر جماعت کے نہیں ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم نے ساتھ نہ دیا لہٰذا دین غالب نہ ہوسکا۔ حضرت محمد ﷺ کا ساتھیوں نے بھرپور ساتھ دیا اور غلبۂ دین کا مشن تکمیل کی منزل تک پہنچ گیا۔

(v) پورے کے پورے اسلام پر عمل کی صورت یہ ہے کہ ذاتی زندگی سے متعلق اسلام کی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور اِس کی اجتماعی تعلیمات کے نفاذ کے لیے مال و جان سے ایسی اجتماعی جِدّوجُہد کی جائے جیسا کہ جِدّوجُہد کرنے کا حق ہے۔

محض انفرادی زندگی میں عمل دراصل اسلام پر جزوی عمل ہے ؎

باطل کے اقتدار میں تقویٰ کی آرزو
کتنا حسیں فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم

یہ طرزِ عمل اگر جان بوجھ کر اختیار کیا جائے تو اِس کی سزا دنیا میں رسوائی اور آخرت میں شدید ترین عذاب ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۸۵﴾ (البقرہ)

''تو کیا تم کتاب کی کچھ باتوں کو مانتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ تو بدلہ نہیں ہے تم

میں سے اُس کا جو کوئی بھی ایسا کرے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں' اور قیامت کے دن وہ لوٹائے جائیں گے شدید عذاب کی طرف' اور اللہ غافل نہیں ہے اس (عمل) سے جو تم کر رہے ہو''۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا انقلابی منہج

ڈاکٹر اسرار احمدؒ بار بار سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں واضح فرماتے رہے کہ اسلام کی اجتماعی تعلیمات کا نفاذ

(i) محض دعاؤں سے نہ ہوگا۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو نبی اکرم ﷺ کی دعا سے ہوجاتا' کیونکہ آپ ﷺ سے زیادہ اور کس کی دعا اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوسکتی ہے!

(ii) محض وعظ ونصیحت سے نہ ہوگا۔ تاریخِ انسانی میں آج تک کوئی انقلاب محض وعظ ونصیحت سے نہیں آیا۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو رحمۃ للعالمین جنابِ نبی کریم ﷺ تلوار تو کجا ایک چھڑی تک اپنے ہاتھ میں نہ لیتے اور صرف اپنی مؤثر تبلیغ کے ذریعہ ہی حق کو غالب فرما دیتے۔ بلاشبہ سب سے زیادہ تاثیر نبی اکرم ﷺ کے وعظ اور نصیحت میں تھی' لیکن آپ ﷺ کو بھی آخر کار غلبۂ دین کے لیے تلوار اٹھانا پڑی اور اپنے اُن محبوب ساتھیوںؓ کی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا جن کی تربیت اور تزکیہ آپ ﷺ نے بڑی عرق ریزی سے کیا تھا۔

(iii) انتخابی طریقۂ کار اختیار کرنے سے بھی نہ ہوگا۔ پاکستان کے بڑے حصہ پر جاگیرداروں کی اجارہ داری ہے۔ یہاں انتخابات میں جاگیردار ہی کامیاب ہوتے رہیں گے۔ دینی جماعتوں کے درمیان اختلافات بھی ان کی کامیابی میں رکاوٹ ہیں۔ گویا اِس راستے سے اقتدار کا حصول ہی دشوار ہے۔ تاہم اگر کسی طریقے سے اقتدار حاصل ہو بھی گیا تو بھی تبدیلی نہیں لائی جاسکے گی۔ صوبہ خیبر پختون خوا میں متحدہ مجلسِ عمل کو پانچ سال حکومت کا موقع ملا لیکن کوئی ایک کام بھی اسلام کی خدمت کا ممکن نہ ہوسکا۔ الجزائر اور فلسطین میں اسلامی جماعتوں کو کامیابی حاصل ہوئی مگر الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کی حکومت بننے ہی نہیں دی گئی اور فلسطین میں حماس کی حکومت کو چلنے نہیں دیا گیا۔

''لَا يَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهَا'' کے مصداق یہ منزل صرف اور صرف نبی اکرم ﷺ کے اختیار کردہ منہج سے سر ہوگی۔ آج دین کے غلبہ کے لیے کام کرنے کا جذبہ تو بہت سے نوجوانوں میں پوری شدّت کے ساتھ موجود ہے لیکن اُنہیں اِس کے لیے درست طریقۂ کار بتانے والا رہنما کوئی نہیں ؎

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لیے

نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ سے ماخوذ منہج کے چھ مراحل ہیں:

(i) **دعوت** کے ذریعہ توحید کے عملی تصوّر کے نفاذ کے لیے جدّوجُہد کی طرف بلانا۔ بقول اقبال ؎

زندہ قوّت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے فقط اِک مسئلۂ علم کلام!

اِس تصور کے مطابق سیاسی اعتبار سے حاکمیت اللہ کے لیے اور بندوں کے لیے خلافت ہے ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری

معاشی اعتبار سے مال واسباب کا مالک اللہ جبکہ بندے امین ہیں ؎

ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست
در حقیقت مالکِ ہر شے خدا ست

معاشرتی اعتبار سے خالق اللہ ہے' لہٰذا تمام انسانوں کے درمیان مساوات ہے ؎

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

(ii) **تنظیم** یعنی ایسے لوگوں کو جو توحید کے عملی تصورات کے نفاذ کے لیے جدّوجہد پر آمادہ ہوں' بیعت سمع وطاعت فی المعروف کی منصوص' مسنون اور ماثور اساس پر ایک مضبوط نظم کے ذریعہ منظّم کرنا۔ پھر اُن کے درمیان مرتبہ کا تعین خاندانی پس منظر' نسل یا دولت کی بنیاد پر نہیں بلکہ تحریک کے ساتھ وفاداری اور مشن کے لیے قربانی کی بنیاد پر کرنا۔

(iii) **تربیت** یعنی منظّم ہونے والے ساتھیوں میں انقلابی فکر کو راسخ کرنا' اُن میں محبتِ الٰہی اور فکرِ آخرت پیدا کرنا' اُنہیں نظم کا خوگر بنانا اور غلبہ واقامتِ دین کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کا جذبہ پیدا کرنا۔

(iv) **صبرِ محض** یعنی مناسب قوت کی فراہمی تک ہر طنز اور تشدد کو نہ صرف برداشت کرنا بلکہ برائی کا جواب اچھائی سے دینا تاکہ اپنی قوت کو نہ صرف محفوظ رکھا جائے بلکہ اعلیٰ اخلاقی طرزِ عمل سے معاشرہ کے اصحابِ خیر کو بھی اِس کی طرف مائل کر کے اِس میں وسعت پیدا کی جائے۔

(v) **اقدام** یعنی مناسب قوت کی فراہمی پر نظام باطل کو چیلنج کرنا اور اِس کی عملداری میں رکاوٹیں پیدا کرنا۔

(vi) **مسلّح تصادم** یعنی جب اقدام کے ردِّعمل میں باطل پوری قوت کے ساتھ انقلابی تحریک کو کچلنے کے لیے آئے تو ایسے میں اُس کا بھرپور مقابلہ کر کے اُسے نیست ونابود کرنا اور حق کا بول بالا کرنا۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے ان ہی مراحل کے ذریعہ صرف ایک ہی Life Span میں تاریخِ انسانی کا ہمہ گیر یعنی مکمل انقلاب برپا کیا۔ اِس حقیقت کی تفصیلات محترم ڈاکٹر صاحبؒ کی تصانیف ''منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ'' اور ''رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب'' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

آج بھی صحیح معنوں میں اسلامی انقلاب کی منزل اسی منہج پر عمل کرتے ہوئے سر کی جاسکتی ہے۔ ابتدائی مراحل تو من وعن یہی رہیں گے' تاہم آخری مرحلہ یعنی مسلّح تصادم کے حوالے سے موجودہ حالات میں دو باتیں نئی پیدا ہو گئی ہیں' جن کا لحاظ رکھنا ہوگا۔

(i) مسلمان ممالک میں نظام باطل کے محافظ کلمہ گو مسلمان ہیں۔

(ii) نظام باطل کے محافظ عسکری تربیت اور وسائل کے اعتبار سے اِس قدر آگے ہیں کہ عوام اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ پہاڑی علاقوں میں گوریلا وار سے اُنہیں زچ تو کر سکتے ہیں لیکن شہری علاقوں میں اُنہیں شکست دے کر نظام تبدیل نہیں کر سکتے۔

اِن حالات میں متبادل طریقہ کار ظالمانہ نظام کی محافظ حکومت کے خلاف پُرامن اور منظّم احتجاج ہے۔ عوام کا یہ حق آج کی دنیا میں تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ پُرامن اور منظّم احتجاج اور سول نافرمانی کے ذریعہ حکومت کو تبدیل کر سکتے ہیں یا اپنے مطالبات منوا سکتے ہیں۔ ایران' کرغیزستان' یوکرائن' مصر' تیونس میں آنے والی تبدیلیاں اِس طریقہ کار کی افادیت پر شاہد ہیں۔ پاکستان میں جسٹس افتخار احمد چودھری کی بحالی اور تحریک ناموسِ رسالت ﷺ کی کامیابی اِس طریقہ کار کے مفید اور نتیجہ خیز ہونے کے ثبوت ہیں۔

تحریکِ ناموسِ رسالت ﷺ کی کامیابی ہمارے لیے بہت بڑی حجّت بن چکی ہے۔ ہماری دینی جماعتوں نے متحّد ہوکر ناموسِ رسالت ﷺ کے قانون میں غیر اسلامی ترامیم کے حکومتی عزائم کے خلاف بھرپور تحریک چلائی' جس کے نتیجے میں حکومت پسپا ہوگئی اور عوامی تحریک اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی ۔ دینی قوتوں کو اس طرز پر نفاذِ شریعت کے لیے بھرپور عوامی احتجاجی تحریک برپا کرنی چاہیے۔ جہاں یہ بات خوش آئند ہے کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کی شان میں قولی گستاخی کے خلاف بھرپور تحریک چلائی' وہاں یہ بات نہایت تکلیف دہ ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں ۶۴ سال سے عملی گستاخی آپ ﷺ کے عطا کردہ نظام سے بغاوت کی صورت میں ہورہی ہے' ہم اُس کے خلاف تحریک چلانے کو تیار نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے' اصلاحِ حال کی توفیق عطا فرمائے' اپنے دین کی خاطر منظّم ہونے اور مال و جان کی بازی لگا کر میدان میں آنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

آخر میں پھر عرض کروں گا کہ میرے لیے یہ ایک سعادت ہے کہ میں نے ڈاکٹر صاحبؒ کے شاگرد کی حیثیت سے آج اِس محفل میں اُن کے انقلابی فکر اور منہج کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں اپنی اِس خوش نصیبی کو اور ڈاکٹر صاحبؒ کی عظمت کو اقبال کے اشعار میں ذرا سے تصرّف کے ساتھ یوں بیان کروں گا۔

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ ''اِسرار'' کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کے احساسِ زیاں' تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رُخِ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے
فتنۂ ملّتِ بیضا ہے امامت اُس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

❁❁❁

داعیٔ رجوع الی القرآن' بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اِسرار اَحمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول — سورۃ الفاتحہ وسورۃ البقرۃ مع تعارف قرآن

صفحات: 360، قیمت 450 روپے

حصہ دوم — سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ

صفحات 321، قیمت، 400 روپے

❁ عمدہ طباعت ❁ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ❁ امپورٹڈ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا' پشاور

A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: 2584824,2214495(091)

مکتبہ خدام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔ ایک عہد ساز شخصیت

ڈاکٹر احسن جمیل

ہم اپنے رفتگاں کو یاد رکھنا چاہتے ہیں
رگوں کو درد سے آباد رکھنا چاہتے ہیں!

یہ ۱۹۸۰ء کی دہائی تھی‘ اس دوران سندھ میڈیکل کالج کراچی کی سیاسی فضا میں تناؤ اس قدر گہرا ہوتا تھا کہ جیسے ملکی سطح پر سیاسی سرگرمیاں وقوع پذیر ہو رہی ہوں۔ ایسی مسموم فضا میں کچھ لوگ ایک کونے میں آڈیو کیسٹس کا اسٹال لگائے کھڑے تھے۔ یہ دراصل تنظیم اسلامی کے کارکنان تھے اور میڈیکل کالج کے طالبعلم بھی۔ تفصیلات معلوم کرنے پر پتا چلا کہ یہ طالب علم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مرید ہیں اور ان کے ہاتھ پر بیعت جہاد کیے ہوئے ہیں۔ یہ سب باتیں آج کل کے دور میں کچھ نامانوس معلوم ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے تنظیم اسلامی اور اس کے بانی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی مزید جستجو ہوئی۔

اس اجمال کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ’’تنظیم اسلامی‘‘ تصورِ دین کے اعتبار سے جماعت اسلامی کے مماثل جماعت ہے‘ لیکن طریقہ کار میں فرق ہے۔ یہ فرق اس قدر واضح ہے کہ دونوں جماعتیں تصوّرِ دین میں یکسانیّت کے باوجود الگ اور مختلف شناخت رکھتی ہیں۔ یہ تصورِ دین کیا ہے؟ رضائے الٰہی اور فلاح ونجاتِ اُخروی کے حصول کے لیے سب سے پہلے اپنے وجود پر اسلام کا عملی نفاذ —— پھر اسی کی دوسروں کو دعوت اور بالآخر ایک اجتماعی نظم میں منسلک ہو کر اسی نظام کے قیام کی کوشش کرنا۔ اجتماعی نظم کی بنیاد بیعت اور زادِ راہ جہاد ہو (اپنے وسیع مفہوم میں)۔

اس کا منہج یہ ہے کہ فدائین کی ایک معتد بہ تعداد فراہم ہو جانے کے بعد باطل نظام کو ایک انقلابی عمل کے ذریعہ تبدیل کرنے کی جدّوجُہد کی جائے اور جب تک یہ تعداد فراہم نہیں ہوتی‘ دعوت وتبلیغ کا کام جاری رکھا جائے۔ دعوت وتبلیغ کا مرکز ومحور قرآن وحدیث ہونا چاہیے۔

اس تناظر میں اب ہم اس شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں جو ہم سے بچھڑ گئی اور سچ پوچھیں تو ایسی عہد ساز شخصیت کی ہماری قوم نے بحیثیت مجموعی قدر نہ کی۔ انفرادی سطح پر بھی شرمندگی کا احساس دامن گیر ہے اور اجتماعی بے حسی کا تو پوچھنا ہی کیا۔ جدید عصری علوم سے بہرہ ور‘ متوسّط طبقے سے تعلق رکھنے والی وہ قد آور شخصیت‘ جس نے اوائل عمر ہی میں دین کی نصرت واقامت کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا۔ گویا اس کی ہر سانس اقامتِ دین کے لیے وقف ہوگئی۔ اب یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی! فیضانِ نظر کا تو امکان ہے‘ لیکن مکتب کی کرامت ذرا مشکل ہے۔ اس لیے کہ مغربی تعلیم سے مزین مکتب تو لا الٰہ الا اللہ کی صدا کا گلا گھوٹنے کا سامان لیے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اِس فضا میں رہتے ہوئے رجوع الی القرآن کی ہمہ گیر تحریک لے کر چلنا‘ دراصل شخصیت کا کمال بھی ہے اور اللہ کا فیضان بھی۔ دوسری بات یہ کہ ایک ایسے ماحول میں اپنی دعوتی تحریک کی بنیاد رکھنا جس میں جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت جیسی جماعتیں موجود ہوں اور اِن جماعتوں کے ہوتے ہوئے اپنی علیحدہ شناخت بنالینا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تنظیم اسلامی نہ صرف یہ کہ اپنے فلسفہ وفکر کے اعتبار سے ایک منفرد جماعت کے طور پر ابھری بلکہ دعوتی اعتبار سے بھی پاکستان کے دینی حلقوں میں ہوا کا ایک خوشگوار جھونکا ثابت ہوئی۔ الحمدللہ!

اس ملک کے دینی ماحول میں ’’قرآن حکیم‘‘ کی پکار سب سے پہلے ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے لگائی۔ قرآن حکیم کو عوامی دعوتی پیرائے میں پیش کرنے کا سہرا دراصل انہی کے سر ہے۔ قرآن کانفرنسیں‘ محاضراتِ قرآنی‘ قرآن اکیڈمی‘ قرآن کالج‘ رجوع الی القرآن‘ قرآن فہمی‘ فہم قرآن کورس‘ دورۂ ترجمہ قرآن اور نہ معلوم کیا کیا! قرآن پاک کے گرد یہ تانا بانا بننا دراصل ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ ہی کا کمال تھا۔ اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان کے دینی ماحول میں قرآن پاک دعوتی اسلوب میں نمایاں ہوا اور روایتی دینی طبقے نے بھی قرآن حکیم کو اپنا موضوع بنانا شروع کیا‘ جو یقیناً ایک مستحسن امر ہے۔

تیسری بات یہ کہ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں جہاد کی بات کرنا اور اسلام کے حرکی تصور کی گفتگو کرنا بالکل ایسا ہی تھا ع ’’کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!‘‘ ضیاء الحق مرحوم کی lipservice کا دور تھا۔ اسلام کا چرچا تو بہت تھا‘ لیکن روایتی اسلام کی حد تک۔ ایسے ماحول میں ٹی وی پر ’’الہدیٰ‘‘ پروگرام اور اس پروگرام میں فرائض دینی کے جامع تصوّر پر پوری شدّومدّ

سے گفتگو کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحبؒ پوری قوت کے ساتھ اپنی بات اپنے سامعین کے سامنے رکھتے اور الحمدللہ اُن کی دعوت کو قبولِ عام حاصل ہوتا۔ کوئی محقق ماہنامہ ''میثاق'' کی فائلیں ذرا کھولے اور دیکھے کہ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کی دہائی میں ڈاکٹر صاحب کے دوروں کے کیا موضوعات ہوا کرتے تھے اور پھر اسی تناظر میں اس خطے میں جو سیاسی اور سماجی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں' اُن کا جائزہ لے تو وہ خود اس نتیجے پر پہنچے گا کہ بانی محترم کی شخصیت کی جامعیّت کیا تھی اور اس دور پر اور مستقبل قریب میں آنے والے دور پر اِس شخصیت کی کتنی گہری چھاپ ہے۔ کوئی تصوّر کرسکتا ہے کہ کراچی کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں ''شامِ الہدیٰ'' ہو رہی ہو اور کراچی اور صوبہ سندھ کا پڑھا لکھا طبقہ ایک بہترین ماحول میں قرآن کی دعوت سے آگاہ ہو رہا ہو۔ کیا ڈاکٹر صاحبؒ سے پہلے ہمیں اپنے ملک کے مذہبی ماحول میں یہ روایت نظر آتی ہے؟ کیا یہ شخصیت کی ہمہ گیریت نہیں کہ جو ہر سطح پر مؤثّر انداز میں قرآن وحدیث کا پیغام لوگوں تک پہنچا رہی ہو۔ یہ نادر مثالیں اس ملک کی ساٹھ سالہ تاریخ میں بہت شاذ ہیں اور اگر ہیں تو اس کی بنا ڈاکٹر صاحب ہی نے ڈالی اور یہ اُنہیں کا credit ہے۔

اب ذرا آیئے خطابت کی طرف۔ عموماً ہمارے مذہبی ماحول میں روایتاً اور عادتاً وعظ کہنے کا رواج ہے۔ پُرتاثیر وعظ کی اپنی اہمیت ہے' لیکن یہ اپنے اندر محدودیت کا سامان بھی لیے ہوئے ہے۔ دوسری طرف پرجوش مذہبی اور سیاسی تقریروں کی روایت ہے کہ جس میں جذباتی فضا بنا کر سامعین کو جوش دلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اِن روایتوں کے ہوتے ہوئے عوامی اجتماعات میں علمی گفتگو کی روایت ڈالنا' جو بیک وقت خطیبانہ بھی ہو' واعظانہ بھی' پرحکمت بھی اور جوشیلی بھی اور اپنے اندر فکر وفلسفہ اور تاریخ کی چاشنی لیے ہوئے ہو' شعروں اور اقوالِ رجال سے مرصع ہو' علمی وادبی بھی ہو اور نصیحت آمیز بھی' خطابت میں اِس نئی روایت کے موجد ڈاکٹر صاحبؒ ہی ہیں۔ پھر اُن کی گفتگو کے مختلف shades بھی ہیں۔ جلسہ عام ہو تو جوش وخروش کا عنصر نمایاں ہوتا ہے' لیکن گفتگو میں علمیت کا پہلو برقرار رہتا ہے۔ درسِ قرآن ہو تو تعلیم وتعلّم کا رنگ غالب ہے' لیکن نصیحت اپنی تمام تر جاذبیت کے ساتھ موجود ہے۔ لیکچر تو بہرحال لیکچر ہے لیکن اس میں بھی مکالمے اور گفت وشنید کا عنصر غالب ہے۔ اور اگر دورۂ ترجمہ قرآن ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے بہاؤ میں بہے چلے جا رہے ہیں اور طبیعت سیر نہیں ہو رہی۔ کلام میں ایسی تاثیر ہمیں اپنے دور میں ذرا کم ہی نظر آتی ہے۔

خطابت کی یہ روایت جس کی بنا ڈاکٹر صاحبؒ نے ڈالی' اپنے اندر تحقیق کا بہت سا سامان لیے ہوئے ہے۔ الحمدللہ اس روایت کو آگے بڑھانے والے بھی ان کے شاگردوں میں بہت سے ہیں اور اللہ سے دعا ہے کہ انہیں بھی بانی محترمؒ جیسی تاثیر خطابت عطا ہو۔ آمین!

حرف کی طاقت بے پایاں ہے حرف کے ہیں امکان بہت
حرف کو زندہ کرنا سیکھو' پھر چاہے تقریر کہو!

ہم دیکھتے ہیں کہ امیر محترم نے تمام عمر حرف کی حرمت کی پاسداری کی۔ عام حالات میں یہ ایک روایتی جملہ ہے جو ہر کسی کے متعلق بلاتحقیق کہہ دیا جاتا ہے' لیکن جب ہم اس کو ڈاکٹر صاحبؒ کی شخصیت پر apply کرتے ہیں تو یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ آفاقی باتوں کے پس منظر میں اگر کردار کی جھلک نہ ہو تو یہ باتیں اپنا اثر کھو دیتی ہیں۔ امیر محترم کی شخصیت کا سب سے مستحکم عنصر ان کا بے داغ کردار تھا اور کردار کی یہی تاثیر ان کے کلام میں جھلکتی تھی' اس لیے کہ کلام متکلّم کی صفت ہوتی ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ؎

بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں
دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں!

اس موقع پر بانیٔ محترم کی کچھ اور خوبیوں کا تذکرہ بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً وہ پہلو جس میں اُن کی شخصیت اور فکر کا توازن بہت نمایاں ہے۔ کہتے تھے کہ اگر کوئی داعی تمہیں اسلاف سے برگشتہ کرتا ہوا نظر آئے تو سمجھ لو کہ وہ فتنہ ہے۔ اس لیے کہ اپنے اسلاف سے سوءِ ظن رکھ کر انسان دراصل بے لنگر جہاز ہو جاتا ہے اور اس کے گمراہ ہونے کا یقینی امکان بڑھ جاتا ہے۔ فکری توازن دیکھئے۔ کہتے تھے کہ ہمیں علم جدید اور سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں آگے سے آگے دیکھنا ہے اور دین کے معاملے میں ہمیں پیچھے سے پیچھے دیکھنا ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ کو ہم نے علماء وفضلاء کی بہت قدر کرتے ہوئے دیکھا اور اسی بات کی وہ تلقین بھی کیا کرتے ہیں۔ کہتے تھے کہ دین کے حاملین دراصل علماء ہی ہیں اور ہمیں ان کی اشیر باد حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ڈاکٹر صاحبؒ انتہائی سادہ طبیعت کے مالک تھے اور یہ بات بہت سے لوگوں کے مشاہدے میں ہے کہ زندگی کے معمولات میں وہ بقدرِ کفایت کے قائل تھے۔ عموماً دو یا تین جوڑوں کے ساتھ سفر کرتے اور پورا سامان ایک بریف کیس میں رکھ کر عازمِ سفر ہوا

کرتے تھے۔ زندگی کا ایک بڑا عرصہ اُنہوں نے قرآن اکیڈمی لاہور کے تین کمروں پر مشتمل کوارٹر میں رہ کر گزارا اور یہیں سے اپنے سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے۔ جب یہ طے کیا کہ دین کی نصرت و اقامت اُن کی زندگی کا مقصد ہوگا' تو سب سے پہلے اپنے پلنگ میں تختے لگوا کر اُس کو سخت اور سپاٹ کر دیا تاکہ جسم کو آرام و آسائش کی عادت نہ رہے۔ کھانے کے شوقین تو تھے مگر دسترخوان پر سب سے پہلے کھانے سے فارغ ہو جاتے۔ علم کے رسیا تھے اور بے حد وسیع المطالعہ شخصیت تھے۔ مطالعہ بھی ہر طرح کا تھا اور یہی مطالعہ اُن کی تقاریر اور دروس میں جھلکتا بھی تھا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اُن کا فقر دراصل اختیاری فقر تھا۔ اس لیے کہ وہ ایک مضبوط کاروباری خاندان سے تعلق رکھتے تھے' لیکن انہوں نے خود اپنی مرضی سے اپنی بود و باش پاکستان کے ایک عام متوسط شہری سے بھی کم درجے کی رکھی۔

ڈاکٹر صاحب نڈر اور بے باک آدمی تھے۔ ہم نے بہت سی controversies میں انہیں ثابت قدم دیکھا۔ کسی بھی بات پر اپنا موقف قرآن و سنّت کی روشنی میں بتاتے' روحِ عصر کو سامنے رکھتے ہوئے عقل اور نقل کے تمام ملحوظات کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹ جاتے اور پھر جو کچھ ہوتا اُسے پورے صبر سے انگیخت کرتے۔

وہ لوگ کہ جنہوں نے قرآن اکیڈمی لاہور کے تہہ خانے کی تربیت گاہوں میں شرکت نہیں کی اور جنہیں بالاستیعاب ڈاکٹر صاحبؒ سے اُن کی تصانیف اور تالیفات پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا' وہ حضرات اُن کے فکر کی گہرائی (depth) کا کما حقہٗ اندازہ نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر صاحبؒ کی شخصیت کا ایک بہت روشن اور تابدار 'ظاہر' ہے جس میں دعوت' تعلیم اور تعلّم کا گہرا رچاؤ ہے۔ اس کے ہم پہلو اُن کا بہت profound 'باطن' ہے جس میں دین کے غلبے کی تڑپ ہے' اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی خواہش ہے۔ خود کہا کرتے تھے کہ میرا آج تک کوئی کام پیسے کے نہ ہونے کی وجہ سے نہیں رکا' مجھے اپنے کام کے لیے آدمی درکار ہیں۔ انسانم آرزوست! چنانچہ زندگی کے شب و روز اس انداز سے گزرے کہ 'خام مال' کو کندن بنانے کی آرزو ہے' اِک باطن روشن ضمیری ہے' اسلام کے عدل اجتماعی کے عملی امکانات پر گہرا غور خوض ہے اور دینی تعلیمات کی فلسفیانہ تعبیرات پر حکیمانہ استغراق ہے۔ ایسا روشن ظاہر و باطن اور ایسی آرزوئیں اور تمنائیں' ہمارے دور میں کم کم لوگوں کو نصیب ہوئیں اور ڈاکٹر صاحبؒ کا کمال یہ ہے کہ یہ

(باقی صفحہ 95 پر)

دعوت وتبلیغ — اصول اور اسلوب

عتیق الرحمٰن صدیقی

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد افضل ترین عمل لوگوں کو اُس کی طرف بلانا ہے تاکہ وہ صداقت و امانت اور حق و راستی کی راہ پر گامزن ہوں' بھلائیوں اور اچھائیوں کے خوگر بنیں' اندھیروں سے نکل کر اجالوں سے ظاہر و باطن کو آراستہ کریں' شر و فساد اور برائی سے ان کے دلوں میں نفور پیدا ہو۔ قرآن حکیم نے دعوت الی اللہ یعنی تبلیغ کے اس کام کو احسن قرار دیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (حٰمٓ السجدة)

''اُس شخص سے زیادہ بھلی بات اور کس کی ہوسکتی ہے جو بلائے اللہ کی طرف اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ مُسلمہ کو خیرِ اُمت قرار دیا اور اس کا مقصدِ وجود یہ بتایا کہ وہ معروف کی تلقین کرے اور اس کے بندوں کو برائی کے ارتکاب سے منع کرے۔ وہ صرف ایک اللہ کی بندگی کریں' اس کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم قرار دیں اور پھر صالحیّت کے شرف سے مشرف ہو کر اس کے عطا کردہ دین کو روئے زمین پر جاری و ساری اور غالب و سربلند کرنے کی تگ و دو میں لگ جائیں۔ یہ دعوت خالص اور بے آمیز طریقے سے دی جائے' ایسا ہرگز نہ ہو کہ دین کے بعض حصوں پر تو عمل پیرا ہوا جائے اور بعض حصوں سے اغماض برتا جائے۔ تسلسل کے ساتھ دین حق کی اقامت کے لیے کوشاں رہا جائے' اس راہ کی صعوبتوں کو صبر و ہمت اور عزیمت و استقامت سے برداشت کیا جائے اور پیش آنے والی رکاوٹوں کو حکمت و دانائی اور فراست سے دور کرنے کی سعی کی جائے۔

تبلیغ اور اس کے ہم معنی الفاظ

لغوی اعتبار سے تبلیغ کے معنی پیغام پہنچانے کے ہیں اور اصطلاحی طور پر اس کا مطلب یہ

ہے کہ جس چیز کو ہم اچھا تصور کریں اس کی خوبی' اچھائی اور اس کے خیر کے تمام تر پہلوؤں سے دوسرے لوگوں' قوموں اور ملکوں کو نہ صرف آگاہ کریں بلکہ انہیں اس بات کی دعوت دیں کہ وہ اسے قبول کریں' اس لیے کہ ان کی بھلائی اس امر میں مضمر ہے۔ قرآن نے کہا: ﴿بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (الاحقاف) ''(یہ قرآن) پیغام ہے' سو (اب) وہی ہلاک ہوں گے جو نافرمان تھے''۔ ﴿وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (یٰسٓ) ''اور ہمارے ذمے تو صاف صاف پہنچا دینا ہے''۔ ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ (الرعد) ''پس (اے نبیؐ!) آپ کا کام (ہمارے احکام کو) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔''

قرآن حکیم میں تبلیغ کے ہم معنی چند دوسرے الفاظ بھی ہیں' جن میں سے ایک لفظ ''اِنذار'' ہے' جس کے معنی ہوشیار' آگاہ اور خبردار کرنے کے ہیں۔ دوسرا لفظ ''دعوۃ'' ہے' جس کے معنی بلانے اور پکارنے کے ہیں۔ تیسرا لفظ ''تذکیر'' ہے' جس کے معنی یاد دلانے اور نصیحت کرنے کے ہیں۔

تبلیغ کی ضرورت و اہمیت

تبلیغ کی اہمیت کا اندازہ حضور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((لَاَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ اَنْ يَكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ)) (۱)

''اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے سے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ دولت تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بڑھ کر ہے۔''

نبی مکرم ﷺ تمام بنی نوع انسان کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے' چنانچہ انہوں نے تبلیغ کے لیے قریش و غیر قریش' حجاز و یمن' عرب و عجم' ہند و روم کی تخصیص نہیں فرمائی بلکہ دنیا کے گوشے گوشے میں اللہ کا پیغام پہنچانا لازمی قرار دیا۔ اس ضمن میں سب سے پہلا حکم جو آپ کو دیا گیا وہ یہ تھا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝﴾ (المدثر) ''اے چادر پوش! اُٹھ کھڑے ہو اور ہوشیار و آگاہ کرو!'' اور پھر بار بار حکم ہوتا رہا کہ ﴿بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (المائدۃ:٦٧) ''جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اُتارا گیا ہے اس کو اوروں تک

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر وکتاب المناقب۔ وصحیح مسلم' کتاب فضائل الصحابة' باب من فضائل علی بن ابی طالب۔

پہنچایئے!'' ﴿فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ﴾ (الشوریٰ:۱۵) ''لوگوں کو دعوت دیجیے اور مضبوط و قائم رہیے جس طرح آپؐ کو حکم دیا گیا ہے''۔ ﴿فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝﴾ (الاعلیٰ) ''اور نصیحت کیجیے کہ نصیحت اہل ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے۔'' لہٰذا اب ہر مؤمن و مسلم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور تواصی بالحق کا بھرپور اہتمام کرے اور خطرات سے بے پروا ہو کر پوری یکسوئی کے ساتھ تاریک راہوں کو منوّر کرنے میں جت جائے۔ رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ﴾ (المائدۃ:۶۷)

''اے پیغمبر (ﷺ)! آپ کے پروردگار کے پاس سے جو کچھ آپ کی طرف اُترا ہے اس کو پہنچا دیجیے۔ اور اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا نہیں کیا تو گویا آپؐ نے اُس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچالے گا۔''

فریضۂ تبلیغ ہمہ جہت ہے

فریضۂ تبلیغ ایک تدریج کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ ہر مرحلہ میں حکمت' دانائی اور فہم و ذکاء مطلوب ہوتا ہے' گردوپیش کی مناسبت پیش نظر ہوتی ہے۔ ماحول جن روایات' معتقدات اور رسوم میں ڈھلا ہو' داعیانِ حق ان سب امور پر نگاہ رکھ کر لائحہ عمل تیار کرتے ہیں اور اندھیروں میں چراغ جلانے کے لیے انہیں صحیح سمت کا تعین کرنا ہوتا ہے۔ دین کی کاملیت و اکملیت ان کی چشمِ بینا سے اوجھل نہیں ہوتی۔ یوں تبلیغ کا دائرہ پہلے تو سکڑا ہوا ہوتا ہے اور پھر پھیلتا چلا جاتا ہے۔ محسنِ انسانیت ﷺ نے پہلے تو اپنے خاندان کے افراد کو آگاہ و ہوشیار کیا او رپھر مکہ معظّمہ اور آس پاس کی آبادیوں کو دین حق سے روشناس کیا۔ قرآن نے کہا: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝﴾ (الشعراء) ''اور اپنے سب سے نزدیک کے اہل خاندان کو آگاہ کیجیے (انذار کا فریضہ سرانجام دیجیے)''۔ پھر فرمایا: ﴿لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (الشوریٰ:۷) ''تاکہ آپ مکہ اور جو اس کے آس پاس (کے بدوی) ہیں ان کو آگاہ و ہوشیار کردیں۔ پھر آپؐ سے کہلوایا: ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (الانعام:۱۹) ''تاکہ میں اس سے تمہیں آگاہ اور ہوشیار کروں اور ان کو جن تک میری آواز پہنچے''۔ یوں تبلیغ کا دائرہ درجہ بدرجہ وسیع تر ہوتا گیا۔ آگے فرمایا: ﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ﴾ (ابراھیم:۵۲) ''یہ قرآن تمام

انسانوں کے لیے پیغام ہے''۔ آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (سبا:۲۸) ''اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے''۔ سورۃ الفرقان میں ارشاد فرمایا: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَۨا ۝﴾ (الفرقان) ''نہایت متبرّک ہے وہ ذات جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لیے نذیر ہو۔''

حج کے موسم میں حضور نبی کریم ﷺ عرب کے ایک ایک قبیلے کے ڈیرے پر جاتے اور ان تک توحید کی آواز پہنچاتے اور کفار کے الزامات کا توڑ کرتے' اس طرح عرب کے گوشے گوشے میں آپؐ کا نام اور پیغام پہنچ گیا۔ حبشہ اور یمن تک آپؐ کی آواز پہنچی' لوگوں میں جستجو بڑھتی گئی' آپؐ کے اخلاق اور سیرت و کردار کا حال معلوم کر کے وہ آپؐ کے حلقہ بگوش ہوتے گئے۔ نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو قریش مکہ کی شدید مخالفت کے باوجود آپؐ مبلّغ اور داعی بھیج کر مکہ اور اردگرد کے مختلف قبیلوں تک دین حق کی آواز پہنچاتے رہے۔ صلح حدیبیہ جو اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدۂ امن تھا' اس میں قریش نے اہل ایمان کے مطالبہ کو تسلیم کیا اور تبلیغ کی آزادی میں مزاحم نہ ہونے کا وعدہ کیا۔ قرآن نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا' اس لیے کہ اس کے بعد عرب اور بیرون عرب مبلّغین کے وفود بھیجے گئے اور امراء و سلاطین کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے گئے۔ اس طرح دعوت و تبلیغ کے فیضان سے نہ صرف عرب بلکہ بیرونِ عرب میں بھی اسلام کا نور پھیلتا گیا۔

دعوت کا اسلوب

دین کی تبلیغ کیسے کی جائے' حق اور سچ کا پیغام لوگوں تک کیسے پہنچایا جائے؟ یہ ایک نہایت اہم موضوع ہے۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شریعت و احکام بھی ہیں اور دعوت و ہدایت کی تفصیل بھی' مگر اولیت و اہمیت دعوت و ہدایت کو حاصل ہے۔ دعوت کا پہلو دوسرے تمام پہلوؤں پر غالب ہے۔ اسلام کے عظیم مفکر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''میرا حقیر مطالعہ یہ ہے کہ شریعت و احکام کے مقابلہ میں دعوت و ہدایت کا پہلو قرآن کریم میں غالب ہے' کیونکہ ایمان کی بنیاد ہدایت پر ہے اور تبلیغ پر اس ایمان کے حصول کا دارو مدار ہے۔ لہٰذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دوسرے تمام مضامین و مقاصد پر دعوت کا عنصر قرآن کریم میں نمایاں طور پر غالب ہے۔'' (دعوت و تبلیغ کا معجزانہ اسلوب)

دوسری اہم بات یہ ہے کہ دعوت کا یہ کام قوانین وضوابط کا پابند نہیں۔ قرین مصلحت بھی یہ تھا اور حکمت کا اقتضا بھی کہ دعوت کا کام گرد وپیش کے حالات اور مخاطبین کی طبائع اور دین کے مصالح کے مطابق متعین ہو۔ اس لیے کہ صورت حال تغیّر پذیر رہتی ہے' اس میں نہ صرف حاضر دماغی اور حاضر کلامی کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ انسانی نفسیات سے گہری واقفیت بھی لازمی ہے۔ جغرافیائی حالات' وہاں کی رسوم وروایات' افکار وخیالات اور طبیعتوں کا مطالعہ کیے بغیر دعوت کا کام ممکن نہیں۔ چنانچہ یہ داعی پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ صورت حال کا جائزہ لے کر یہ معیّن کرے کہ کب اور کس وقت کون سا طریقہ کار موزوں اور مناسب ہے۔

دعوت وتبلیغ کے اصول

دعوت وتبلیغ میں کن اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے' قرآن حکیم نے بڑی صراحت کے ساتھ ان کی نشان دہی کی ہے۔ فرمایا:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ (النحل:۱۲۵)

''اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو دانائی اور عمدہ نصیحت کے ذریعے بلاؤ اور ان سے مناظرہ (مباحثہ) خوش آئند طریق سے کرو۔''

گویا دلائل وبراہین سے بات کی جائے' مؤثر اور دلپذیر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جائے اور بہترین انداز میں مباحثہ کیا جائے۔ قرآن نے پہلے طریقہ کو حکمت' دوسرے کو موعظتِ حسنہ اور تیسرے کو جدال سے تعبیر کیا ہے۔ آیہ کریمہ کے تمام الفاظ میں معانی کا ایک جہاں آباد ہے۔ ''اُدْعُ'' کے ساتھ ''اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ'' کی تعیین تو کر دی گئی ہے مگر اس میں ایسی کوئی قید نہیں کہ تم اپنے ربّ کی راہ کی طرف کیسے بلاؤ؟ یہ داعی الی اللہ پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ حسب موقع دعوت کا کام تقریر اور وعظ کے ذریعے کرے' تحریر کو کام میں لائے یا دوسرے ذرائع ابلاغ سے استفادہ کرے۔ وہ بلانے کا ہر وہ ذریعہ اور وسیلہ اختیار کر سکتا ہے جو نافع اور مؤثر ہو اور شریعت سے مطابقت رکھتا ہو۔ حکمت کا لفظ بہت بلیغ اور وسعتوں کا حامل ہے' موعظت میں بھی خاصی وسعت ہے اور حسنہ کا لفظ بھی لامحدود معنوں پر مشتمل ہے۔ گویا بلانے کے انداز میں تحدید اور اختصار بھی ہے اور وسعت وکشادگی بھی۔ مجادلہ یعنی مباحثہ اور تبادلۂ خیال میں بھی پسندیدہ انداز اپنانے کی تلقین کی گئی ہے۔

زیر مطالعہ آیت میں داعی کو مندرجہ بالا اصولوں کے التزام کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ قوی' مضبوط اور پختہ دلائل جو حق وراستی کو بالکل عیاں کر دیں اور شک وارتیاب کی سیاہیوں کو یقین کی روشنی میں بدل دینے کی سکت رکھتے ہوں' حکمت کے زمرہ میں آئیں گے اور وہ پند ونصیحت جو خیر وبھلائی کو اس طریق سے مبرہن کرائے کہ پتھر دل بھی موم ہو جائیں' موعظت حسنہ کہلائے گی۔ بحث ومناظرہ میں بھی احسن طریقہ اپنانے کا حکم دیا گیا ہے' نہ تو مباحثہ میں علمی برتری کا گھمنڈ ہو اور نہ غیر شائستہ کلام کا استعمال ہو بلکہ محاسن واخلاق کو ہر لحظہ ملحوظ رکھا گیا ہو۔

حکمت' موعظت حسنہ اور جدال بالحسنہ کے علاوہ بھی کئی اور اصول ہیں جن کو مدنظر رکھنا ایک داعی کے لیے ضروری ہے:

ا) رفق وملاطفت: حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے سرکش اور باغی کے سامنے اللہ کا پیغام لے جانے کی ہدایت کی گئی تو ارشاد فرمایا:

﴿اِذْهَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ۝۴۳ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی ۝۴۴﴾ (طٰہٰ)

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ' اُس نے سرکشی کی ہے۔ پس تم دونوں اس سے نرم گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرے یا (اللہ سے) ڈرے۔''

یہاں نرمی' ملائمت اور لطف وتحمل سے کام لینے کی ہدایت کی گئی ہے' اس لیے کہ سختی اور شدت کا طریقہ نفرت وعداوت اور ضد وہٹ دھرمی کو جنم دیتا ہے اور دعوت کا مثبت اثر رونما نہیں ہوتا۔

ب) قول بلیغ: منافقین جو حضور نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کے مجرم تھے' آپؐ کو ان کے بارے میں حکم دیا گیا:

﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِیْغًا ۝۶۳﴾ (النساء)

''تو آپ ان سے درگزر کیجیے اور ان کو نصیحت کیجیے اور ان سے ایسی بات کیجیے جو ان کے دلوں میں اثر کرے۔''

یعنی دعوت وتبلیغ میں مخاطب کی کج روی' کج بحثی اور درشت رویہ کو برداشت کرنا چاہیے' سمجھانے کی بھرپور سعی کی جانی چاہیے اور گفتگو کا لب ولہجہ ایسا ہو جو اس کے دل کو موہ لے۔

ج) آسانی اور سہولت کا انداز: نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن میں دعوت وتبلیغ کے لیے متعیّن فرمایا' رخصت کرتے وقت آپؐ نے ان سے فرمایا:

((يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا)) (۱)

''دین الٰہی کو آسان کر کے پیش کرنا سخت بنا کر نہیں' اور لوگوں کو خوشخبری سنانا نفرت نہ دلانا۔''

یہ ایک اہم تبلیغی اصول ہے جو مبلّغ کی کامیابی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ دین کو سخت' مشکل اور درشت بنا کر پیش کرنے سے طبائع میں نفور پیدا ہوتا ہے' فلسفیانہ موشگافیوں سے بات بنتی نہیں بگڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر قہار و جبار ہے تو غفور اور غفار بھی ہے' اس کے جلال اور اس کی ہیبت کا اس طرح ذکر نہ کیا جائے کہ لوگ خوف زدہ اور مایوس ہو کر رہ جائیں۔ ہر ممکن امید اور رجائیت کے پہلو کو پیش نظر رکھا جائے۔

د) **تدریج کا اصول**: دعوت میں تدریج کے اصول کو کارفرما رکھا جائے اور لوگوں پر بیک وقت اتنا بوجھ نہ ڈال دیا جائے کہ احکاماتِ خداوندی پر عمل پیرا ہونا مشکل ہو جائے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ تم یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے تو ان کو پہلے اس کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ جب وہ یہ مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ یہ بھی مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے' یہ صدقہ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریبوں کو دیا جائے گا۔ جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو دیکھو! صدقہ میں چن چن کر ان کے بڑھیا مال کو نہ لینا۔ اور ہاں' مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔ (رواہ البخاری)

ہ) **تالیفِ قلب**: اسلام کی طرف راغب اور مائل کرنے کے لیے غم خواری و غم گساری' لطف و محبت اور معاونت سے کام لینے سے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس طریقہ کا نام ''تالیفِ قلب'' رکھا ہے جس کے لفظی معنی دلوں کو ملانے کے ہیں۔ ہمدردی کا یہ طریق اختیار کرنے سے مخالف کا دل نرم ہوتا ہے' اس میں ممنونیت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ضد اور عناد میں واضح کمی رونما ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ اس طرزِ عمل سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ مکہ کے بعض رئیس بھی اسی جذبے سے متاثر ہو کر اسلام لائے تھے۔ صفوان رضی اللہ عنہ

(۱) صحیح البخاری' کتاب المغازی' باب بعث ابی موسیٰ و معاذ الی الیمن قبل حجة الوداع۔ وصحیح مسلم' کتاب الجهاد والسیر' باب فی الامر بالتیسیر وترك التنفیر۔

جو پہلے اسلام کے سخت مخالف تھے اور حضور نبی کریم ﷺ سے سخت بغض رکھتے تھے' کہتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے دیا جتنا دیا اور مجھے ان سے سخت بغض تھا' لیکن آپؐ کے ان احسانات نے مجھے ایسا متاثر کیا کہ اب میری نگاہ میں ان سے زیادہ پیارا کوئی نہیں۔ (رواہ مسلم) اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ گویا جہاں ضرورت پڑے وہاں قلب کی تالیف کے لیے ایسے اقدامات کیے جانے چاہئیں جن سے اسلام کو تقویت پہنچے۔

ر) **عقل انسانی کو اپیل کرنا**: دعوت و تبلیغ کا ایک تقاضا یہ ہے کہ مبلّغ استدلال کی قوت کو کام میں لائے۔ وعظ و نصیحت ہو یا بحث و مباحثہ یا گفتگو کا عمل' حکمت و تدبّر اور عقل و فہم سے مرصع ہونا چاہیے۔ قرآن حکیم نے مخاطبین کو جا بجا تفکّر اور تعقّل سے کام لینے کی دعوت دی ہے' کائنات کی بے شمار نشانیوں کی طرف متوجّہ کیا ہے' نفسِ انسانی پر سوچ بچار سے کام لینے کے لیے احسانات و جذبات اور فطری میلانات کو جھنجوڑنے کی سعی کی ہے۔ غور و فکر کرنے والے اہلِ ایمان کی توصیف میں فرمایا:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝۱۹۰ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ﴾ (آل عمران: ۱۹۱)

''بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں' جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرتے ہیں' آسمانوں اور زمین کی بناوٹ پر غور کرتے ہیں اور (کہتے ہیں) کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ عالم بیکار نہیں بنایا۔''

اس آیۂ کریمہ میں خارجی استدلال سے کام لیا گیا ہے' جبکہ اندرونی استدلال کی یوں دعوت دی گئی ہے: ﴿وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝۲۱﴾ (الذّٰریٰت) ''اور خود تمہارے اندر نشانیاں ہیں' تم دیکھتے نہیں ہو!'' پھر کہا کہ قرآن میں لوگوں کے لیے بصیرتیں ہیں: ﴿هٰذَا بَصَآىِٕرُ لِلنَّاسِ﴾ (الجاثیة: ۲۰) ''یہ لوگوں کے لیے بصیرتیں ہیں''۔ سورۂ محمد (ﷺ) میں فرمایا: ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝۲۴﴾ (محمد) ''کیا یہ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟'' الغرض قرآن نے توحید' رسالت' آخرت' عبادات و معاملات اور اخلاقیات کو زیر بحث لاتے وقت بے شمار عقلی دلیلیں پیش کر

کے نوعِ انسانی کو ان میں غور و فکر کی دعوت دی ہے۔

ز) جبر و اکراہ سے پرہیز: دینِ حق فطرت کے تقاضوں کا امین ہے' زور و زبردستی اور جبر و اکراہ سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ یہ شدت اور سختی کی چیز ہرگز نہیں' یہاں قدم قدم پر عقلی استعداد کو ابھارا گیا ہے اور حکمت و دانش کا مظاہرہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ لوحِ قلب پر دین کے نقوش مرتسم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نرمی اور ملائمت سے کام لیا جائے اور جبر و اکراہ سے پرہیز کیا جائے۔ فرمایا: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ﴾ (البقرۃ:۲۵۶) ''دین میں کوئی زبردستی نہیں' ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی''۔ فرمایا: ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَمَنْ شَاۗءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاۗءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الکہف:۲۹) ''اور کہہ دیجیے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے' تو جو چاہے قبول کرے اور جو چاہے انکار کرے''۔ سورۃ الغاشیۃ میں فرمایا: ﴿فَذَكِّرْ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾﴾ ''تو (اے پیغمبر ﷺ!) آپ نصیحت کرتے رہیے' اس لیے کہ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا''۔ دین کو زبردستی پھیلانے کی کوشش اسلام میں ہرگز پسندیدہ نہیں۔ حضور ﷺ کی شان اس سے کہیں زیادہ ارفع اور بلند ہے۔ سورۂ یونس میں فرمایا: ﴿وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾﴾ (یونس) ''اگر آپ کا ربّ چاہتا کہ لوگوں کو زبردستی مؤمن بنا دے تو زمین میں سب لوگ ایمان لے آتے۔ تو کیا (اے پیغمبر ﷺ!) آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں!''

اسلام کی امن پسندی کا عالم یہ ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں بھی صلح و آشتی کو ملحوظ رکھتا ہے۔ میدانِ جنگ میں بھی اسلام نے ضروری قرار دیا کہ تلوار کے فیصلہ سے پہلے دو باتیں مدمقابل کے سامنے پیش کی جانی چاہئیں: اوّل یہ کہ کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ اور لڑائی سے ہاتھ اٹھا کر ہمارے بھائی بن جاؤ' اگر ایسا کرو تو تم جان' مال اور عزت کے تمام حقوق میں ہمارے برابر ہو جاؤ گے' اگر یہ منظور نہ ہو تو دوسری بات یہ ہے کہ اپنے مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت قبول کر لو' اس حالت میں بھی تمہاری حفاظت کی ہر قسم کی ذمہ داری ہمارے سر ہوگی۔ اگر وہ ان دو باتوں میں سے کوئی بات قبول کر لیں تو ان سے لڑنا جائز نہیں۔ اسلامی تاریخ میں ایسی متعدد مثالیں ہیں کہ خون ریزی رک گئی اور لڑائی کا میدان محبت و آشتی کا گہوارہ بن گیا۔

ح) رفعتِ کردار: حضور نبی کریم ﷺ نے دعوت کا آغاز کیا تو بھرے مجمع میں اپنی چالیس سالہ زندگی کو بطور چیلنج پیش کیا' فرمایا: ﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾﴾ (یونس) ''(اے قریش!) نبوت سے پہلے بھی میں نے تم میں ایک مدتِ دراز تک زندگی بسر کی ہے' کیا تم نہیں سمجھتے''۔ ظہورِ نبوت سے پہلے امین کا خطاب آپ کو رفعتِ کردار کی بدولت ملا تھا۔ اس موقع پر بھی ایک جم غفیر نے' جس میں مکہ کے تمام قبائل کے نمائندہ افراد شریک تھے' بیک آواز آپ کی صداقت و امانت کا اقرار کیا۔ یہ منصب ایک نبی و رسول ہی کو حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو تجزیہ و تبصرہ کے لیے برملا پیش کرے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے چالیس برس کے معجزانہ اخلاق اور مافوق الفطرت اوصاف کا تجربہ کر کے ہی فرمایا تھا:

> ''محمد ﷺ! اللہ کبھی آپ کو رسوا نہ کرے گا' اس لیے کہ آپ رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرتے ہیں' ناداروں کی طرف سے قرض ادا کرتے ہیں' محتاجوں کی خبر لیتے ہیں' مہمانوں کے ساتھ بہ مدارت پیش آتے ہیں' جو لوگ حقیقت میں مبتلائے آلام ہیں ان کی اعانت کرتے ہیں''۔ (رواہ البخاری)

عرب میں آپؐ کی نبوت کا چرچا ہوا تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت انیس رضی اللہ عنہ کو حقیقت حال کے لیے بھیجا' تو انہوں نے واپس آ کر پیکر نبوت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا: ''میں ایک ایسے شخص کو دیکھ کر آیا ہوں جو بھلائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔'' (رواہ البخاری)

ط) دعوت بالقرآن: حضور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دعوت و تبلیغ میں قرآن حکیم کی سورتیں پڑھ کر سناتے تھے۔ قرآن کی تاثیر سے ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور وہ کپکپا جاتے تھے۔ یوں ان کے دل کی دُنیا بدل جاتی تھی' اس لیے کہ قرآن کی تلاوت اتنی اثر انگیز ہوتی کہ وہ مسحور ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس طریق کو جہادِ کبیر سے تعبیر کیا ہے: ﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾﴾ (الفرقان) ''تو (اے پیغمبر ﷺ!) منکروں کا کہا نہ مان اور اس قرآن سے ان کے ساتھ بڑے زور سے جہاد کر''۔ سورۂ قٓ میں فرمایا: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾﴾ ''تو (اے پیغمبر ﷺ!) ان کو جو میری دھمکی سے ڈرتے ہوں قرآن کے ذریعے سے یاد دلاؤ''۔ حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب ہی اسلام کی اصل طاقت اور نبی مکرم ﷺ کا اصلی ہتھیار تھا' جس کی کاٹ خنجر و شمشیر سے کسی درجہ کم نہ تھی۔

دعوت و تبلیغ کے میدان میں اصل اہمیت داعی کی ہے۔ وہ اس نظام میں ریڑھ کی ہڈی کے مماثل ہے۔ گویا وہ قوتِ متحرّکہ کی مانند ہے‘ دعوت کا تمام تر عمل اس کی شخصیت کے گرد گھومتا ہے۔ وہ خود جتنا متحرک ہوگا اسی نسبت سے دوسروں میں تحرک پیدا کر سکے گا۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ فکری اور عملی اعتبار سے پوری طرح تیار ہو‘ بصورت دیگر وہ کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوگا۔ حق و باطل کی کشمکش اور ظلم و جہل اور فتنہ و فساد کی سیاہیوں میں وہ اسی وقت ہدایت کا دیپ جلا سکے گا جب وہ نورِ علم سے منوّر ہو اور حسن کردار سے مرصع ہو۔

باطل کے خلاف رزم و پیکار میں کوئی اسلحہ اگر بنیادی طور پر کارگر ہوسکتا ہے تو وہ ایمان کا اسلحہ ہے۔ ایمان زبانی طور پر اقرار کا نام نہیں‘ بلکہ اس میں تصدیق بالقلب اور شرحِ صدر کا ہونا ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی عملی شہادت ناگزیر ہے۔ صحیح معنوں میں ایمان کے تقاضے کی تکمیل تب ہوگی جب وہ اس کے رگ و پے میں سرایت کر جائے گا۔ دوسری اہم چیز حسن اخلاق ہے۔ ایمان کا قلوب میں جاگزیں ہو جانا حسنِ اخلاق کی صورت میں نمود کرتا ہے۔ حضورﷺ نے فرمایا:

((اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا)) (۱)

’’مسلمانوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔‘‘

داعی اوّل ﷺ کو اللہ تعالیٰ کتاب حکیم میں اسی وصف سے متصف گردانتا ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ④﴾ (القلم) ’’اور بے شک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں‘‘۔ حق و راستی اور باطل کے مابین اس جنگ میں کام آنے والا تیسرا ہتھیار علامہ یوسف القرضاوی کے الفاظ میں علم اور ثقافت کا ہے:

’’حق و باطل کے اس کارزار میں کام آنے والا تیسرا اسلحہ علم و ثقافت کا ہے۔ روحانی اور اخلاقی ہتھیاروں کے پہلو بہ پہلو یہی فکری اسلحہ وہ تیسری چیز ہے جس کے ذریعے اس معرکے کو سر کیا جا سکتا ہے اور اس مہم میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے اس لیے کہ دعوت دراصل ایک طرح کی معنوی داد و دہش ہے۔ اب ظاہر بات ہے کہ جو خود اندر سے خالی اور نورِ علم سے بے بہرہ ہوگا وہ دوسروں کو کیونکر فیض یاب کر سکتا ہے۔ جو خود خالی ہاتھ ہے وہ دوسروں کو کیا دے سکتا ہے۔ جو شخص صاحب نصاب ہی نہیں اس کے زکوٰۃ ادا کرنے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے۔‘‘ (دعوتِ دین اور اس کے تقاضے)

(۱) سنن ابی داوٗد‘ کتاب السنۃ ‘ باب الدلیل علی زیادۃ الایمان و نقصانہ۔

اسلام: محنت کشوں کے حقوق کا ضامن

حافظ محمد زاہد☆

اسلام ایک مذہب نہیں بلکہ مکمل نظام حیات ہے جو زندگی کے ہر پہلو اور ہر موڑ پر نوعِ انسانی کی رہنمائی کرتا ہے اور معاشرے میں بسنے والے ہر فرد اور ہر طبقے کے حقوق کا ضامن ہے۔ یکم مئی کا دن عالمی سطح پر ''محنت کشوں اور مزدوروں کا دن'' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن محنت کش طبقے سے اظہار یکجہتی کے لیے عالمی سطح پر سکول' کالجز' سرکاری دفاتر' ادارے' مارکیٹیں اور دکانیں بند ہوتی ہیں اور سرخ جھنڈے لے کر جلوس نکالے جاتے ہیں۔

یکم مئی کی تاریخی حیثیت

اسلام میں محنت کشوں کے حقوق بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یکم مئی کو ''محنت کشوں کا دن'' منانے کی تاریخ پر ایک مختصر نظر ڈالی جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس دن کو منانے کی ابتدا کہاں سے ہوئی اور کن لوگوں نے کی!

انیسویں صدی کے نصف میں روس اور یورپ میں مزدوروں اور محنت کشوں سے روزانہ سولہ سولہ گھنٹے کام لیا جاتا تھا اور معاوضہ اتنا بھی نہیں دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو دو وقت کا اچھا کھانا دے سکیں۔ اور اگر کوئی مزدور یا محنت کش کام کے دوران مر جاتا تو سرمایہ دار یہ کہہ کر معاملہ رفع دفع کر دیتے کہ ''مزدوری کرتے کرتے مر کھپ جانا ہی کام کا حصہ ہے''۔ محنت کش طبقے نے اس ظلم کے خلاف احتجاج کیا' لیکن ان کے اس احتجاج کو بزور بازو ختم کر دیا گیا۔ یکم مئی ۱۸۶۶ء کو شکاگو میں مزدوروں نے منظم احتجاج کیا اور کارخانے بند کر کے ہڑتال شروع کر دی۔ ۳ مئی کو پولیس نے ہڑتال کرنے والوں پر فائر کھول دیا جس سے کئی مزدور مارے گئے۔ ۴ مئی کو ہلاک ہونے والے محنت کشوں کے سوگ میں ایک اور جلوس نکالا گیا۔ اس مرتبہ پولیس اور فوج نے مل کر محنت کشوں پر حملہ کیا اور وہاں کی سڑکیں ان کے خون سے سرخ

(۱) ادارتی معاون' شعبہ مطبوعات' قرآن اکیڈمی لاہور pmzahids@yahoo.com

ہو گئیں اور جو سفید جھنڈے ان کے ہاتھوں میں تھے وہ بھی سرخ ہو گئے۔

(ماخوذ از: غیر مسلم تہوار بے حیائی کا بازار' تفضیل احمد ضیغم)

آج دنیا کے مختلف ممالک میں اس واقعے کی یاد میں یکم مئی کو سرخ جھنڈے لے کر جلوس نکالے جاتے ہیں' جس کا مقصد محنت کشوں کے حقوق کے لیے آواز بلند کرنا ہوتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے محنت کش طبقے کے حقوق

اسلام واحد دین ہے جو معاشرے میں بسنے والے ہر طبقے اور ہر فرد کے حقوق کا نہ صرف دعوے دار ہے بلکہ اس کی ضمانت بھی دیتا ہے۔ نومولود سے لے کر بوڑھوں کے حقوق اور بادشاہوں سے لے کر مزدوروں اور محنت کشوں کے حقوق کا واحد اور بااعتماد سہارا صرف اور صرف اسلام ہے۔ اسلام نے محنت کش طبقے کو درج ذیل حقوق دیے ہیں اور بنی نوع انسان کو ان کے حقوق کا خاص خیال رکھنے کی ہدایت بھی فرمائی ہے۔

ملازم کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانا

اپنے آپ کو اعلیٰ تہذیبی اقدار کا حامل اور ہر طبقے کے حقوق کا ضامن قرار دینے والی مغربی اقوام سرمایہ دار اور مزدور طبقے میں ایک خاص تفریق روا رکھتی ہیں اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا تو دُور کی بات' ان کو اپنی تقریبات میں بلانا تک گوارا نہیں کرتیں۔ جبکہ اسلام نے خادم کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانے کی ہدایت فرمائی ہے تاکہ مالک اور خادم کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا أَتٰی اَحَدَکُمْ خَادِمُهٗ بِطَعَامِهٖ فَاِنْ لَمْ یُجْلِسْهُ مَعَهٗ فَلْیُنَاوِلْهُ اُکْلَةً اَوْ اُکْلَتَیْنِ اَوْ لُقْمَةً اَوْ لُقْمَتَیْنِ فَاِنَّهٗ وَلِیَ حَرَّهٗ وَعِلَاجَهٗ))(۱)

''جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانا لے کر آئے' اگر اس کو اپنے ساتھ کھانے پر نہ بٹھائے تو (کم از کم) اسے ایک یا دو لقمہ دے دے' اس لیے کہ اس نے گرمی برداشت کی ہے اور محنت کی ہے۔''

دوسری حدیث میں اس بات کو ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا صَنَعَ لِأَحَدِکُمْ خَادِمُهٗ طَعَامَهٗ ثُمَّ جَاءَهٗ بِهٖ وَقَدْ وَلِیَ حَرَّهٗ وَدُخَانَهٗ فَلْیُقْعِدْهُ مَعَهٗ فَلْیَأْکُلْ فَاِنْ کَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوْهًا قَلِیْلًا فَلْیَضَعْ فِیْ یَدِهٖ مِنْهُ اُکْلَةً اَوْ اُکْلَتَیْنِ))(۲)

''جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لیے کھانا بنا کر لائے اس حال میں کہ وہ اس کھانے کی گرمی اور دھواں برداشت کر چکا ہے تو مالک کو چاہیے کہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے' اور اگر کھانا تھوڑا ہو تو اس کے ہاتھ میں ایک یا دو نوالے ہی رکھ دے۔''

ملازم کے لیے دعا کرنے کا حکم

اسلام نے محنت کشوں کو جہاں اتنے حقوق دیے ہیں وہاں مالک اور ملازم کے درمیان اخلاقی تعلق قائم کرنے کے لیے مالک کو تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے خادم کے لیے دعا کرے۔ خادم کے لیے دعا کرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ انس (رضی اللہ عنہ) آپ کا خادم ہے' (اس کے لیے دعا کر دیں) آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہٗ وَوَلَدَہٗ وَبَارِکْ لَہٗ فِیْمَا اَعْطَیْتَہٗ))(۳)

''اے اللہ! اس کا مال اور اولاد زیادہ کر اور جو کچھ تو نے اسے دیا اس میں برکت عطا فرما۔''

ملازم کے بارے میں بددعا کرنے کی ممانعت

ایک طرف اسلام نے اپنے ملازموں' خادموں اور گھروں پر کام کرنے والوں کے لیے دعا کرنے کی ہدایت کی ہے تو دوسری طرف ان کے لیے بددعا کرنے سے روکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَدْعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ وَ لَا تَدْعُوْا عَلٰی اَوْلَادِکُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰی خَدَمِکُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰی اَمْوَالِکُمْ' لَا تُوَافِقُوْا مِنَ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی سَاعَۃَ نَیْلٍ فِیْھَا عَطَاءٌ فَیَسْتَجِیْبَ لَکُمْ))(۴)

''بددعا نہ کرو نہ اپنے اوپر' نہ اپنی اولاد پر' نہ اپنے خادموں پر اور نہ اپنے مالوں پر' کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گھڑی ایسی ہو جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔''

ملازم پر جو خرچ کرو گے وہ صدقہ ہے

ملازم چونکہ مالک کی بنسبت کم درجہ والے ہوتے ہیں تو اسلام نے اس طبقاتی فرق کو کم کرنے اور اس طبقے کی دلجوئی کے لیے خادم پر خرچ ہونے والے ایک ایک پیسے کو ''صدقہ'' قرار دیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَا کَسَبَ الرَّجُلُ کَسْبًا اَطْیَبَ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ' وَمَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَاَھْلِہٖ وَوَلَدِہٖ وَخَادِمِہٖ فَھُوَ صَدَقَۃٌ))(۵)

''آدمی نے اپنے ہاتھ کی مزدوری سے زیادہ پاکیزہ کمائی حاصل نہیں کی' اور آدمی اپنے اوپر' اپنی بیوی پر' اپنے بچوں پر اور اپنے خادم پر جو بھی خرچ کرے وہ صدقہ ہے۔''

ملازم سے اس کی طاقت کے مطابق کام لینے کی ہدایت

عموماً لوگ اپنے ملازموں سے ان کی طاقت سے زیادہ کام لیتے ہیں' حتیٰ کہ محنت کش بچوں سے ایک جوان مرد کے برابر کام لیا جاتا ہے' جو سراسر ظلم ہے۔ اسلام نے تو غلاموں کے حقوق بھی معیّن کیے ہیں جو لوگوں کے زرخرید ہوتے تھے۔ چنانچہ مالکوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ غلام سے اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لِلْمَمْلُوْکِ طَعَامُہٗ وَکِسْوَتُہٗ وَلَا یُکَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ مَالَا یُطِیْقُ))(۶)

''غلام کو کھانا اور کپڑا دو اور اسے اس کی طاقت سے زیادہ کسی عمل کا مکلّف نہ بناؤ۔''

جب غلام سے اس کی طاقت سے زیادہ کام لینے کی ممانعت ہے تو مزدور اور خادم کے معاملے میں اس کی اجازت کیونکر ہو سکتی ہے؟

ملازم کو ستّر بار معاف کرنے کا حکم

محنت کش بھی انسان ہے اور انسان سے غلطی ہو جاتی ہے' لیکن عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ مالک خادم کی چھوٹی سے چھوٹی غلطی پر اُسے سزا دیتا ہے اور خادم اپنی نوکری چلے جانے کے ڈر سے اُف تک نہیں کہتا۔ جبکہ نبی کریم ﷺ نے مالک کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے خادم کو ہر روز ستّر بار معاف کرے۔

ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: یارسول اللہ! ہم خادم کا جرم کس حد تک معاف کریں؟ آپؐ خاموش رہے۔ اس نے پھر وہی بات کہی۔ آپؐ پھر خاموش رہے۔ جب تیسری مرتبہ اُس نے یہ بات کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اُعْفُوْا عَنْہُ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً))(۷)

''اسے ہر روز ستّر مرتبہ معاف کرو۔''

ملازم کو اجرت نہ دینے والا اللہ کا دشمن ہے

دنیا کے تقریباً تمام معاشی نظاموں میں محنت کشوں کے ساتھ ظلم کی ایک صورت یہ ہے کہ محنت کشوں اور ملازموں کی اجرت کو سرمایہ دار بلاوجہ روک لیتے ہیں اور بعض اوقات اجرت دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ایک حدیث قدسی میں ایسا کرنے والے شخص کو

اللہ کا دشمن قرار دیا ہے۔

((قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ثَلَاثَۃٌ اَنَا خَصْمُھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ: رَجُلٌ اَعْطٰی بِیْ ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَاَکَلَ ثَمَنَہٗ ، وَرَجُلٌ اسْتَاْجَرَ اَجِیْرًا فَاسْتَوْفٰی مِنْہُ وَلَمْ یُعْطِہٖ اَجْرَہٗ)) (۸)

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میں تین آدمیوں کا دشمن ہوں گا: (۱) جو میرا نام لے کر عہد کرے اور پھر توڑ دے (۲) وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھائی (۳) وہ شخص جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا اور کام پورا کرانے کے بعد اس کی مزدوری نہ دی۔''

ملازم کو اجرت جلدی دینے کا حکم

اسلام نے ایک طرف محنت کش کی اجرت روک لینے والے کو اللہ کا دشمن قرار دیا ہے تو دوسری طرف اس کی اجرت اس کے پسینہ خشک ہونے سے پہلے پہلے ادا کر دینے کی بھی ہدایت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَعْطُوا الْاَجِیْرَ اَجْرَہٗ قَبْلَ اَنْ یَّجِفَّ عَرَقُہٗ)) (۹)

''مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل دے دو۔''

ملازم کو مارنے کی ممانعت

آج یہ بات تقریباً تمام معاشروں میں وبا کی طرح عام ہوگئی ہے کہ ملازم اور خادم کو غلطی کرنے پر نہ صرف زبانی جھاڑ پلائی جاتی ہے بلکہ بعض اوقات نوبت ہاتھ اٹھانے تک بھی آجاتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرماتی ہیں:

مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ شَیْئًا قَطُّ بِیَدِہٖ وَلَا امْرَأَۃً وَلَا خَادِمًا (۱۰)

''رسول اللہ ﷺ نے نہ کبھی کسی عورت کو مارا اور نہ کبھی خادم کو۔''

امام ابوداؤد نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کی وجہ یہ فرمائی: ''خادم اور عورت دونوں محکوم ہوتے ہیں اور محکوم پر ہاتھ اٹھانا بڑی ہی کم ظرفی کی بات ہے۔''

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے اپنے غلام کو کسی بات پر طمانچہ مار دیا۔ جب آپ ﷺ کو اس کا پتا چلا تو آپؐ نے اس کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔ حضرت سوید بن مقرن مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

لَقَدْ رَاَیْتُنَا سَبْعَۃَ اِخْوَۃٍ مَا لَنَا خَادِمٌ اِلَّا وَاحِدَۃٌ، فَلَطَمَھَا اَحَدُنَا، فَاَمَرَنَا النَّبِیُّ ﷺ اَنْ نُعْتِقَھَا (۱۱)

''ہم سات بھائی تھے اور ہمارا ایک ہی خادم تھا۔ ہم میں سے ایک نے اسے طمانچہ مار دیا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اسے آزاد کرنے کا حکم دیا۔''

ملازم کو گالی دینے اور جھڑکنے کی ممانعت

تقریباً ہر شعبہ میں اپنے سے کم تر کو گالی دینا معمول بن گیا ہے اور آج کے جدید تہذیب یافتہ معاشروں میں مالک کا ملازم کے ساتھ گالی گلوچ کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ ملازم کو اس پر بڑی کوفت ہوتی ہے مگر وہ ملازمت کے چلے جانے کے ڈر سے دل ہی دل میں خون کے آنسو پی کر صبر کر جاتا ہے۔ ہادی عالم ﷺ کا اسوہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے اور ان کی دس سال تک خدمت کرنے والے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَشْرَ سِنِیْنَ لَا وَاللّٰہِ مَا سَبَّنِیْ سَبَّۃً قَطُّ وَلَا قَالَ لِیْ اُفًّ قَطُّ وَلَا قَالَ لِیْ لِشَیْءٍ فَعَلْتُہٗ لِمَ فَعَلْتَہٗ وَلَا لِشَیْءٍ لَمْ اَفْعَلْہُ اَلَّا فَعَلْتَہٗ (۱۲)

''میں نے دس سال نبی کریم ﷺ کی خدمت کی اور اللہ کی قسم آپؐ نے مجھے کبھی گالی نہیں دی، کبھی مجھے اف تک نہیں کہا اور جو کام میں نے کر لیا اس کے بارے میں کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس کے بارے میں کبھی نہیں فرمایا کہ وہ کام کیوں نہیں کیا۔''

خلاصہ کلام

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یکم مئی کو محنت کشوں کا دن منانا چاہیے یا نہیں؟ اس سوال سے قطع نظر ہمیں اپنا احتساب ضرور کرنا چاہیے کہ اسلام نے محنت کش طبقے کو جو حقوق دیے ہیں کیا ہم ان میں سے کسی حق کے بارے میں سستی کا مظاہرہ کر کے ان پر ظلم تو نہیں کر رہے کہ کل قیامت کے دن یہ اللہ کے حضور ہمارے خلاف دست سوال دراز کریں اور اس وقت ہمارے پاس سوائے شرمندگی کے کچھ نہ ہو۔ باقی یہ جلوس نکالنا اور محنت کشوں کے حقوق کی صرف زبانی قرار دادیں پیش کرنا اس دن کو منانے کا طریقہ نہیں ہے۔ اصل کرنے کا کام یہی ہے کہ ہم اپنے ماضی و حال کا جائزہ لیں اور مستقبل کے لیے پختہ ارادہ کریں کہ اس طبقے کو اسلام نے جو حقوق دیے ہیں ہم اس کا خیال رکھیں گے۔

ایک حدیث پر اپنے مضمون کا اختتام کرتا ہوں جو اس موضوع پر میرے علم کی حد تک جامع ترین حدیث ہے اور یہ حدیث الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحاح ستہ میں موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اِخْوَانَكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ، فَمَنْ كَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَاْ كُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوْ هُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَاِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَاَعِيْنُوْهُمْ))(۱۳)

''تمہارے ملازم تمہارے بھائی ہیں۔ پس اللہ نے تم میں سے جس کے ماتحت تمہارے بھائی کو کیا ہے تو وہ اس کو ویسا ہی کھلائے جیسا خود کھاتا ہے اور اس کو اسی طرح کا (لباس) پہنائے جیسا خود پہنتا ہے اور اس کو وہ کام نہ کہے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا اور اگر کوئی ایسا کام کہہ دے جو اس کو مغلوب کر دے تو پھر خود بھی اس کا ہاتھ بٹائے۔''

حواشی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاطعمة، باب الاکل مع الخادم۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اطعام المملوك مما یأکل ..... وسنن ابی داوٗد، کتاب الاطعمة، باب فی الخادم یأکل مع المولی۔

(۳) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بکثرة المال مع البرکة۔ وصحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل انس بن مالك ؓ۔

(٤) سنن ابی داوٗد، کتاب الصلاة، باب النهی عن ان یدعوا الانسان علی اهله وماله۔

(٥) سنن ابن ماجه، کتاب التجارات، باب الحث علی المکاسب۔

(٦) مسند احمد، کتاب باقی مسند المکثرین، راوی: ابو هریره ؓ، ح: ۷۰٦۱

(۷) سنن ابی داوٗد، کتاب الادب، باب فی حق المملوك۔

(۸) صحیح البخاری، کتاب الاجاره، باب اثم من منع اجر الاجیر۔

(۹) سنن ابن ماجه، کتاب الاحکام، باب اجر الاجراء۔

(۱۰) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب مباعدته للآثام و اختیاره من المباح اسهله وانتقامه لله عند انتهاك حُرماته۔

(۱۱) سنن الترمذی، کتاب النذور والایمان، باب ماجاء فی الرجل یلطم خادمه۔

(۱۲) مسند احمد، کتاب باقی مسند المکثرین، راوی: انس بن مالك ؓ، ح: ۱۲٥٦۱

(۱۳) صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ من العبید اخوانکم فاطعموهم مما تاکلون۔

☆☆☆

سیرتِ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم

پر بانیٔ تنظیم اسلامی و داعیٔ تحریک خلافت پاکستان

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے پانچ فکر انگیز خطابات

1 فلسفۂ دین میں نبوت و رسالت کا مقام و مرتبہ

2 نبی اکرم ﷺ پر تکمیلِ نبوت و رسالت کے مظاہر

3 انقلابِ نبوی کا مرحلہ اوّل کردار سازی کا نبوی طریق

4 انقلاب اسلامی میں باطل سے تصادم کا مرحلہ اوّل

5 انقلابِ اسلامی میں باطل سے تصادم کے مراحل

دو DVDs پر مشتمل پیک، قیمت 100 روپے (علاوہ کوریئر چارجز 100 روپے)

مکتبہ خدّام القُرآن لاہور

قرآن اکیڈمی، K-36 ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: +92-42-35869501-3

ای میل: maktaba@tanzeem.org ویب سائٹ: www.tanzeem.org

تحریک تجدّد اور متجدّدین (۶)

حافظ محمد زبیر

سرسید احمد خان

سید احمد خان کی پیدائش ۱۷/ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں ہوئی۔ سید احمد خان کے آباء واَجداد کے بارے میں معروف رائے تو یہ ہے کہ وہ افغانستان کے صوبہ ہرات سے آ کر دہلی میں آباد ہوئے تھے' جبکہ ایک دوسری رائے کے مطابق وہ عرب سے یہاں آئے تھے۔ سید احمد خان کے آباء واَجداد سلطنتِ مغلیہ کے دربار میں مختلف انتظامی عہدوں پر فائز رہے ہیں' جیسا کہ ان کے نانا اکبر شاہ دوم کے وزیر تھے اور کچھ عرصہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سفیر بھی رہے۔ سرسید کے والد محترم میر محمد متقی بھی اکبر شاہ دوم کے مشیر خاص تھے۔ سرسید نے اردو' عربی' فارسی اور ابتدائی دینی تعلیم اپنے گھر اور شہر میں ہی حاصل کی۔ سرسید نے اپنے والد کے ساتھ بچپن ہی سے دربار جانا شروع کر دیا تھا۔ ۱۸۳۸ء میں ان کے والد کی وفات کے بعد انہیں بہادر شاہ ظفر دوم کی طرف سے 'عارف جنگ' اور بعد ازاں ۱۹۴۲ء میں 'جوادالدولہ' کا خطاب دیا گیا۔

والد کی وفات کے بعد سرسید نے بہادر شاہ ظفر کے دربار کو ملازمت کے لیے پسند نہ کیا اور سلطنتِ مغلیہ کے مسلسل زوال اور شکست وریخت کے پیش نظر انہوں نے برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کو ترجیح دی۔ انہوں نے آگرہ میں ایک عدالت میں 'سررشتہ دار' یعنی کلرک کے طور پر ملازمت شروع کی اور بعد میں ۱۸۴۰ء میں 'منشی' کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۸۵۸ء میں انہیں مرادآباد عدالت میں ایک اہم عہدے پر فائز کیا گیا جہاں سے انہوں نے اپنے تعلیمی کام کا آغاز کیا۔ ۱۸۶۹ء میں انہوں نے انگلینڈ کا سفر کیا اور ۱۸۷۶ء میں ملازمت ترک کر کے علی گڑھ میں مقیم ہو گئے۔

۱۸۷۸ء میں امپیریل کونسل کے ممبر مقرر ہوئے۔ ۱۸۸۲ء میں ایجوکیشن کمیشن کے رکن

بنے اور ۱۸۸۷ء میں پبلک سروس کمیشن کے رکن نامزد ہوئے۔ ۱۸۸۸ء میں انہیں کے سی ایس آئی کا خطاب ملا اور ۱۸۸۹ء میں انہیں ایڈنبرا یونیورسٹی نے 'ایل ایل ڈی' کی ڈگری دی۔ انہوں نے ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو وفات پائی۔

سید احمد خان کے تذکرہ نگاروں نے ان کی زندگی کو تین حصّوں میں تقسیم کیا ہے:

پہلا دور

سید احمد خان کی زندگی کا پہلا دور پیدائش سے ۱۸۵۷ء تک کا ہے۔ اس دور میں ان پر روایت پسندی غالب نظر آتی ہے' اگرچہ جدیدیت کے کچھ رجحانات اور میلانات بھی موجود ہیں۔ اس عرصے میں سید احمد خان نے 'جامِ جم' کے نام سے مغل بادشاہوں کی ایک مختصر تاریخ فارسی میں مرتب کی۔ اسی طرح مذہب' اخلاق اور تصوف پر کچھ رسائل تصنیف کیے۔ 'راہِ سنت وبدعت' کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں تقلید کی مخالفت کی۔ اہلِ تشیّع کے رد میں 'تحفہ حسن' نامی کتابچہ مرتب کیا۔ روایتی پیری مریدی کے خلاف 'کلمۃ الحق' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ امام غزالی رحمہ اللہ کی کتاب 'کیمیائے سعادت' کے بعض ابواب کا ترجمہ کیا۔ ان کتب میں سید احمد خان' امام غزالی' سید احمد بریلوی' شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اس دور میں انہوں نے علمِ ریاضی میں بھی بعض رسائل لکھے۔

اس دور کے سید احمد خان کے علمی کارناموں میں 'آثارالصنادید' نامی کتاب ہے جس میں انہوں نے دہلی کی قدیم عمارتوں کی تاریخ بیان کی ہے۔ اس کتاب کا بعد میں فرانسیسی میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔ علاوہ ازیں ابوالفضل کی کتاب 'آئین اکبری' کی تحقیق واشاعت بھی سید احمد خان کے اسی دور کے اہم کارناموں میں سے ہے۔ سید احمد خان نے اس کتاب کی تقریظ مرزا اسداللہ غالب سے لکھنے کو کہا جنہوں نے اس کتاب کے لیے ایک فارسی نظم لکھی جس میں سید احمد خان کو اشارتاً ماضی پر اپنا وقت ضائع نہ کرنے کی تلقین کی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں سرسید برطانوی گورنمنٹ کے وفادار رہے اور انہوں نے کئی ایک انگریزوں کی جانیں بھی بچائیں۔ البتہ جنگ کے خاتمہ کے بعد انہوں نے 'اسبابِ بغاوتِ ہند' کے نام سے کتاب لکھی جس میں انگریز حکومت پر شدید نقد کی۔

دوسرا دور

سید احمد خان کی زندگی کا دوسرا دور ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۹ء تک کا ہے۔ اس دور میں سید احمد خان کی زندگی میں مصلحت کی زندگی بسر کرنے اور انگریز حکمرانوں کے ساتھ اتحاد کے

جذبات کا غلبہ نظر آتا ہے۔اس دور کی اہم تصانیف میں 'اسباب بغاوتِ ہند' ہے جس میں انہوں نے برطانوی انگریز حکومت پر شدید تنقید کی جو جنگ آزادی کو مسلمانوں کی طرف سے ایک طے شدہ سازش قرار دے رہے تھے۔سید احمد خان نے اس کتاب میں یہ ثابت کیا کہ جنگ آزادی کا اصل سبب انگریز حکومت کا مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں عمل دخل تھا نہ کہ دوسری مسلمان حکومتوں کی طرف سے کوئی خارجی سازش۔مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین تعلقات کو خوشگوار کرنے کے لیے سرسید کی طرف سے 'مذہبی وحدت' کا اصول متعارف کروایا گیا اور اس کے لیے 'تحقیق لفظ نصاریٰ' اور 'رسالہ احکام طعام اہلِ کتاب' کے نام سے رسائل لکھے گئے۔انہوں نے 'تبیین الکلام' کے نام سے بائبل کی ایک تفسیر لکھنے کا بھی آغاز کیا تھا جو بوجوہ مکمل نہ ہوسکی۔اس دور میں انہوں نے سائنٹیفک سوسائٹی کا اخبار جاری کیا جو بعد ازاں 'علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ' کے نام سے شائع ہوتا رہا ہے۔

تیسرا دور

سید احمد خان کی زندگی کا تیسرا دور ۱۸۶۹ء سے ۱۸۹۸ء تک کا ہے۔اس دور میں سید احمد خان کی ذات پر مغربی فکر وفلسفہ سے مرعوبیت نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔۱۸۶۹ء میں سید احمد خان نے انگریزوں کی تہذیب وتمدن کا مطالعہ کرنے کی غرض سے انگلینڈ کا سفر کیا۔اس دور کے نمایاں کارناموں میں سے ان کی کتاب 'خطباتِ احمدیہ' ہے۔اس کتاب کو لکھنے کا سبب معروف مستشرق سر ولیم میور کی سیرت پر کتاب 'لائف آف محمدؐ' تھی۔اس مستشرق نے اپنی اس کتاب میں اللہ کے رسول ﷺ پر شدید طعن اور نقد کیا تھا۔اس کا جواب دینے کے لیے سید احمد خان نے 'خطباتِ احمدیہ' تصنیف کی۔سید احمد خان نے انگلینڈ میں بیٹھ کر یہ کتاب اردو میں مرتب کی اور ایک اردو جاننے والے انگریز سے اس کا انگریزی ترجمہ کروایا۔تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اس کتاب کی تالیف واشاعت میں سید احمد خان نے اپنا آبائی گھر اور اس کا سب ساز وسامان بھی بیچ دیا تھا۔اس کتاب میں سرسید نے مستشرقین کے اعتراضات کے جواب میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی تمام جنگوں کو دفاعی جنگیں ثابت کیا۔

اسی دور میں سید احمد خان نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر لکھنا شروع کی جس میں انہوں نے فطرت (Nature) کے بارے میں اپنا معروف فکر وفلسفہ پیش کیا۔سید احمد خان نصف قرآن سے کچھ زائد یعنی تقریباً سترہ پارے مکمل کر پائے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔اس تفسیر میں انہوں

نے اُمّتِ مُسلمہ کے اجماعی عقائد سے انحراف کرتے ہوئے آیاتِ قرآنیہ کی ایسی تاویلات کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس سے کتاب اللہ اہلِ مغرب کی عقل وسائنس کے مطابق قرار پائے۔پس قرآنی آیات کو سائنسی اصول وضوابط کے مطابق بنانے کے لیے انہوں نے اس قدر تاویلات کیں کہ وہ اپنے مخالفین کے ہاں 'نیچری' کے نام سے معروف ہوگئے اور ان کا فکر وفلسفہ 'نیچریت' کے نام سے معروف ہوا۔ان پر کفر کے فتوے بھی لگائے گئے۔اس دور میں انہوں نے 'تہذیب الاخلاق' کے نام سے ایک پرچہ کا اجرا بھی کیا اور اس میں شائع شدہ مضامین کو بعد ازاں اسی نام سے ایک کتاب میں مرتب کر کے علیحدہ بھی شائع کیا گیا ہے۔

اس دور میں ان کے مداحین کے ہاں ان کے کارہائے نمایاں میں ان کی علمی تحریک بھی ہے۔لندن جانے سے سید احمد خان انگریزی طریقہ تعلیم اور طرز معاشرت سے شدید متاثر ہوئے تھے' چنانچہ انہوں نے واپس آکر 'التماس بخدمت اہلِ اسلام وحکامِ ہند در باب ترقی تعلیمِ مسلمانِ ہند' کے نام سے ایک مضمون لکھ کر شائع کروایا۔بعد ازاں انہوں نے 'کمیٹی خواستگار ترقی تعلیمِ مسلمانان' قائم کی اور ایک انگریزی درسگاہ کا نقشہ تیار کیا۔انہوں اس درسگاہ کے قیام کے لیے ایک دوسری کمیٹی 'خزینۃ البضاعۃ' کے نام سے چندہ جمع کرنے کے لیے بنائی۔بالآخر انہوں نے ۱۸۷۵ء میں ایک اسکول کی بنیاد رکھی اور دو سال بعد ۱۸۷۷ء میں یہ اسکول 'محمڈن اینگلو اورینٹل کالج' علی گڑھ کی بنیاد بنا۔یہ کالج بعد میں ۱۹۲۰ء میں یونیورسٹی کا درجہ حاصل کر گیا تھا۔

علی گڑھ کالج مسلمانانِ ہند کے لیے محض انگریزی تعلیم کی درس گاہ ہی نہ تھی بلکہ ایک سیاسی تحریک بھی تھی۔اکبر الٰہ آبادی اور بعض دوسرے مسلمان رہنماؤں نے سید احمد خان کے اس طرزِ عمل اور انگریزی تہذیب وزبان کی گرویدگی پر شدید نقد کی۔شروع میں سید احمد خان ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھی لیکن بعد ازاں انہوں نے 'انڈین نیشنل کانگریس' کے بالمقابل 'پیٹریاٹک ایسوسی ایشن' قائم کی۔انہوں نے ہندی اور اردو زبان کے قضیہ میں اردو کی شدت سے حمایت کی اور ہمیشہ مسلمانانِ ہند کے لیے جداگانہ سیاسی حقوق کے داعی رہے۔

سید احمد خان کے رفقائے خاص میں مولانا شبلی' نواب محسن الملک' نواب وقار الملک' الطاف حسین حالی اور مولوی نذیر احمد جیسی نامور شخصیات تھیں۔سید احمد خان مسلمانوں میں ایک اہم سیاسی رسوخ کی حامل شخصیت تھے۔سید احمد خان کا خیال تھا کہ ترقی یافتہ انگریز قوم

سے غیر ترقی یافتہ مسلمانوں کا آزادی حاصل کرنا ایک ناممکن امر ہے' لہٰذا وہ مسلمانوں کو انگریز کی وفاداری' ان کی زبان وعلوم سیکھنے اور ان کی تہذیب اختیار کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔

مذہبی تصوّرات

سید احمد خان نے 'تفسیر القرآن وھو الھدی والفرقان' کے نام سے قرآن مجید کے تقریباً سترہ پاروں کی تفسیر لکھی ہے۔ اس تفسیر کے شروع میں انہوں نے ۲۰ صفحات میں 'تحریر فی اصول التفسیر' کے نام سے اپنے ۱۵ اصولِ تفسیر بھی نقل کیے ہیں جن میں سے بعض درست ہیں جبکہ بعض جہل مرکب کا نتیجہ ہیں۔ ان اصولوں کا خلاصہ ہم انہی کے الفاظ میں ذیل میں نقل کر رہے ہیں:

''۱۔ یہ بات مسلّم ہے کہ ایک خدا خالق کائنات موجود ہے...۲۔ یہ بھی مسلّم ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء مبعوث کیے ہیں اور محمد ﷺ رسول برحق و خاتم المرسلین ہیں۔۳۔ یہ بھی مسلّم ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے...۴۔ یہ بھی مسلّم ہے کہ قرآن مجید بلفظہ آنحضرت ﷺ کے قلب پر نازل ہوا ہے یا وحی کیا گیا ہے' خواہ یہ تسلیم کیا جاوے کہ جبریل فرشتہ نے آنحضرت تک پہنچایا ہے جیسا کہ مذہب عام علمائے اسلام کا ہے یا ملکہ نبوّت نے جو روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے آنحضرت کے قلب پر القا کیا ہے جیسا کہ میرا خاص مذہب ہے...مگر میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ صرف مضمون القا کیا گیا تھا اور الفاظِ قرآن آنحضرت ﷺ کے ہیں...۵۔ قرآن مجید بالکل سچ ہے' کوئی بات اس میں غلط یا خلافِ واقع مندرج نہیں ہے...۶۔ صفات ثبوتی اور سلبی ذات باری تعالیٰ کے' جس قدر قرآن مجید میں بیان ہوئے' سب سچ اور درست ہیں' مگر ان صفات کی ماہیت کا من حیث ھی ھی جاننا مافوقِ عقل انسانی ہے...۷۔ صفاتِ باری تعالیٰ عین ذات ہیں اور وہ مثل ذات کے ازلی وابدی ہیں اور مقتضائے ذات' ظہورِ صفات ہے...۸۔ تمام صفات باری تعالیٰ کی' نامحدود اور مطلق عن القیود ہیں...۹۔ قرآن مجید میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو قانونِ فطرت (Nature) کے برخلاف ہو...بیشک ہمارے بعض اخوان کو اس پر غصہ آویگا اور قرآن مجید میں بعض امور کو معجزہ قرار دیکر اور ان کو مافوق الفطرت (Super Natural) سمجھ کر پیش کریں گے اور کہیں گے کہ قرآن مجید میں معجزات مافوق الفطرت موجود ہیں۔ ہم ان کے اس قول کو نہایت ٹھنڈے دل سے سنیں گے اور عرض کریں گے کہ جو آیت قرآن مجید کی

آپ پیش کرتے ہیں اور اس سے معجزات مافوق الفطرت پر استدلال فرماتے ہیں' آیا اس کے کوئی دوسرے معنی بھی ایسے ہیں جو موافق زبان وکلام عرب کے اور موافق محاورات اور استعمالات اور استعارات قرآن مجید کے ہو سکتے ہیں' اگر نہیں ہو سکتے تو ہم قبول کریں گے کہ ہمارا یہ اصول غلط ہے اور اگر ہو سکتے ہیں تو ہم نہایت ادب سے عرض کریں گے کہ آپ اس بات کو ثابت نہیں کر سکے کہ قرآن مجید میں معجزات مافوق الفطرت موجود ہیں...۱۰۔ قرآن مجید جس قدر نازل ہوا ہے' بتمامہ موجود ہے نہ اس میں ایک حرف کم ہوا ہے نہ زیادہ ہوا ہے...۱۱۔ ہر ایک سورہ کی آیات کی ترتیب میرے نزدیک منصوص ہیں...۱۲۔ قرآن مجید میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے' یعنی اس کی کوئی آیت کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں ہوئی...۱۳۔ قرآن مجید دفعۃً واحدۃً نازل نہیں ہوا ہے بلکہ نجماً نجماً نازل ہوا ہے...۱۴۔ موجوداتِ عالم اور مصنوعات کائنات کی نسبت جو کچھ خدا نے قرآن مجید میں کہا ہے' وہ سب ھو ھو یا بحیثیۃ من الحیثیات' مطابقِ واقع ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا قول اس کی مصنوعات کے مخالف ہو یا مصنوعات اس کے قول کے مخالف ہوں۔ بعض جگہ ہم نے قول کو 'ورڈ آف گاڈ' (Word of God) اور اس کی مصنوعات کو 'ورک آف گاڈ' (Work of God) سے تعبیر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ورڈ آف گاڈ اور ورک آف گاڈ دونوں کا متحد ہونا لازم ہے۔ اگر ورڈ' ورک کے کسی حیثیت سے مطابق نہیں ہے تو ایسا ورڈ' ورڈ آف گاڈ نہیں ہو سکتا۔۱۵۔ باوجود اس بات کے تسلیم کرنے کے کہ قرآن مجید بلفظہ کلامِ خدا ہے مگر جب کہ وہ عربی میں اور انسان کی زبان میں نازل ہوا ہے تو اس کے معنی اسی طرح پر لگائے جاوینگے جیسے کہ ایک نہایت فصیح عربی زبان میں کلام کرنے کے معنی لگائے جاتے ہیں اور جس طرح کہ انسان استعارہ ومجاز وکنایہ وتشبیہ تمثیل اور دلائل لمی واقناعی وخطابی واستقرائی والزامی کو کام میں لاتا ہے.....الخ'' (تفسیر قرآن: ۱/۱۔۱۴)

سرسید احمد خان کے اصول تفسیر میں سے سب سے زیادہ گمراہی کا سبب جو اصول بنا وہ ان کا نواں اصول ہے کہ جس کے مطابق قرآن مجید میں کوئی امر بھی خلافِ فطرت واقع نہیں ہوا ہے۔ اپنے اس اصولِ فطرت کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے اپنے آخری اصول کا سہارا لیا ہے اور اجماعی عقائد اسلامیہ کی تردید میں عربی لغت اور صرف ونحو کے ایسے ایسے نادر استعمالات واستشہادات سامنے لائے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

اپنے اس اصول کے تحت انہوں نے قرآن مجید میں انبیاء ورسل کے معجزات کی عجیب وغریب تاویلات کیں' مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں عصائے موسیٰ سے سمندر کے پھٹنے اور سمندری پانی کے دیواروں کی مانند دونوں اطراف میں کھڑے ہونے کی تاویل سمندر کے مدو جزر سے کی۔ اسی طرح جب بنی اسرائیل میں ایک شخص کے قتل ہونے پر گائے ذبح کر کے اسے گائے کا ایک ٹکڑا مارنے کا حکم دیا گیا تو اس سے مردہ زندہ ہو گیا' جس کے بیان میں ارشادِ باری تعالیٰ 'كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى' کی تاویل سرسید نے یہ کی کہ مردہ کو زندہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ نامعلوم قاتل معلوم ہو گیا۔ بنی اسرائیل کے بطور عذاب بندر بنائے جانے یعنی 'كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ' کی تاویل بنی اسرائیل کے بندروں کی طرح ذلیل ورسوا ہونے سے کی ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے قصہ میں 'فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ... الخ' کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد خواب ہے اور انہوں نے خواب میں اپنے مرے ہوئے گدھے کی ہڈیاں اٹھتے اور ایک گدھے کی صورت اختیار کرتے دیکھی تھیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ 'اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ' کی تاویل یہ کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں لیکن وہ صلیب پر نہیں مرے تھے بلکہ طبعی موت مرے تھے اور مسلمانوں نے رفعِ سماوی اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ نصاریٰ سے لیا ہے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پرندوں کی مورتیوں میں پھونک مار کر اڑتا ہوا پرندہ بنانے کے معجزات کا بھی انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ قرآن مجید میں یہ نہیں آیا کہ پرندے کی مورتی پھونک مارنے سے جاندار پرندہ بن جاتی تھی بلکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ایک کھیل تھا جیسا کہ بچے مٹی کی مورتیاں بنا کر کھیلتے ہیں اور انہیں ہاتھوں میں اڑاتے پھرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرنے کے معجزہ کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد ان کا کافروں کو اسلام میں داخل کرنا ہے۔ عصائے موسیٰ کے اژدہا بن جانے کی تاویل یہ کی کہ وہ دیکھنے والوں کے تخیل میں اژدہا اور سانپ تھا نہ کہ حقیقت میں کوئی سانپ بنا تھا' جیسا کہ جادگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں بھی حقیقت میں سانپ نہیں بنی تھیں۔ پس عصائے موسیٰ اور جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں دونوں کا معاملہ ایک ہی تھا۔ میدانِ بدر میں ایک ہزار فرشتوں کے نزول کی تاویل یہ کی کہ اس سے مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں کو میدانِ جنگ میں ایک ہزار گنا تقویت اور ثابت قدمی عطا فرمائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کے معجزہ کا

انکار کیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کو ایک تخیل قرار دیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کا انکار کیا ہے اور اس کی تاویل یہ کی ہے کہ درحقیقت مچھلی نے ان کو منہ سے پکڑا تھا اور بعد میں چھوڑ دیا۔

قرآن مجید میں 'ملائکہ' سے مراد 'قوائے ملکوتی' لی ہے اور حضرت جبرائیل سے مراد 'قدرۃ اللہ' یا 'قوۃ اللہ' لی ہے۔ شیاطین سے مراد 'شیاطین انس' لیے ہیں۔ جنات سے مراد 'قوائے بہیمیہ' لیے ہیں یا وحشی واجڈ یا ڈاکو لیے ہیں۔ انسانوں اور حیوانات کی 'روح' کو ایک ہی روح یعنی 'حیوانی روح' قرار دیا ہے۔ 'سحر' سے مراد ایک خاص قسم کی 'مقناطیسی قوت' لی ہے جس سے دوسروں کو ہپناٹائز کیا جاتا ہے۔ دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں سرسید احمد خان کا عقیدہ یہ ہے کہ روح جب انسان کے جسم سے نکل جاتی ہے تو اب اس دنیاوی جسم یا کسی نئے جسم کے ساتھ زندہ نہیں ہو گی بلکہ روح بذاتہ ایک جسم کی مالک ہے اور روح اپنے اس جسم کے ساتھ ہی اخروی زندگی گزارے گی۔ آسان الفاظ میں سرسید احمد خان آخرت میں صرف روحانی زندگی کے قائل ہیں نہ کہ جسمانی کے۔ جنت اور جہنم کی نعمتوں اور عذابوں کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ یہ راحت وتکلیف کو بیان کرنے کے اسالیب ہیں اور جنت سے مراد کوئی مادی جنت نہیں ہے کہ جس میں حور وقصور ہوں بلکہ اس سے مراد روحانی راحت وسہولت ہے اور اسی طرح جہنم سے مراد بھی کوئی مادی جہنم نہیں ہے بلکہ اس سے مراد بے سکونی اور اضطراب کی کیفیات ہیں۔ واقعہ معراج کی یہ تاویل کی ہے کہ اس سے مراد خواب میں بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کرنا ہے۔ سورۃ المائدۃ میں 'المُنخنقة' کی تفسیر میں اہل کتاب کے ان جانوروں کو حلال قرار دیا ہے جنہیں انہوں نے گلا گھونٹ کر مار دیا ہو' وغیر ذلک۔

خلاصۂ کلام

اپنے افکار ونظریات کے اعتبار سے سرسید احمد خان برصغیر پاک وہند میں اعتزالِ جدید کے بانی تھے۔ اعتزالِ قدیم میں اس قدر تاویلات نہیں تھیں' کیونکہ وہاں مقصود یونانی فلسفہ اور دینی عقائد وایمانیات میں تطبیق تھی' جبکہ یہاں مغربی فکر وفلسفہ کے ساتھ ساتھ سائنس کے ساتھ بھی مذہب اسلام کی موافقت پیدا کرنا' اعتزالِ جدید کے بنیادی مقاصد میں شامل تھا۔ پس سرسید احمد خان کی تفسیر تفردات' شذوذات' جہلِ مرکب اور ضلالت وکفر پر مبنی اقوال سے بھری پڑی ہے' اگرچہ یہ بہرحال ماننا پڑتا ہے کہ انہوں نے اجماعی دینی عقائد' اساسی ایمانیات اور

قرآن واحادیث مبارکہ کی تفسیر وتشریح کا بیڑا غرق انتہائی خلوص سے ہی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان پر یہ اعتراض ہوا کہ معتزلہ قدیم نے بھی تو یونانی فلسفہ وحکمت اور علم ہیئت کے مطابق نصوص کی تاویلات کیں اور بعدازاں اس فلسفہ کی بنیادیں غلط ثابت ہوئیں تو نصوص کی یہ تشریحات بھی غلط قرار پائیں' لہٰذا اس کا غالب امکان موجود ہے کہ آئندہ زمانہ میں سائنسی علوم میں اس قدر ترقی ہو کہ موجودہ سائنسی نظریات' کہ جن کی نصوصِ قرآن سے مطابقت وموافقت آپ نے اپنی تفسیر میں ثابت کی ہے' غلط ثابت ہوں تو آپ کیا کریں گے؟ سرسید نے ان الفاظ میں اس اعتراض کا جواب دیا ہے:

''پس اگر ہمارے علوم کو آیندہ زمانہ میں ایسی ترقی ہو جاوے کہ اِس وقت [یعنی سرسید کے وقت] کے امورِ محققہ کی غلطی ثابت ہو تو ہم پھر قرآن مجید پر رجوع کرینگے اور اس کو ضرور مطابق حقیقت پاوینگے اور ہم کو معلوم ہوگا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیے تھے' وہ ہمارے علم کا نقصان ہے۔ قرآن مجید ہر ایک نقصان سے بری تھا۔'' (تفسیر القرآن: ۱/۲۰)

مصادر ومراجع

1-en.wikipedia.org

۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' دانش گاہ پنجاب' لاہور' طبع اول' ۱۹۶۶ء

۳۔ انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا' سید قاسم محمود' الفیصل ناشران' لاہور

۴۔ تفسیر القرآن' سرسید احمد خان' رفاہ عام سٹیم پریس' لاہور

❁❁❁

بقیہ: ڈاکٹر اسرار احمدؒ۔ ایک عہد ساز شخصیت

سب کچھ تقویٰ اور تدیّن کے ساتھ ہے' عمل کی کسوٹی پر پورا اُترا ہوا ہے۔ وہ علم وعمل اور عقل و جذبات کا ایک حسین امتزاج تھے۔ علامہ اقبال کے شیدائی تھے اور انہی کے الفاظ میں آخری بات یہ کہ ؎

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پر ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب' ایک کلیم سربکف!

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے اور جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

بقیہ: عرضِ احوال

ڈال دے۔ وہ ریڈی میڈ فتح چاہتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہم پاکستان کو مالی اور تکنیکی امداد دیتے ہیں لہٰذا پاکستان تمام قوّت کے ساتھ اپنے مشرقی بارڈر سے بےفکر ہو کر افغان جنگ میں کود جائے۔ ہمارا حق ہے کہ جو امداد ہم پاکستانیوں کو دیتے ہیں اس کے بدلہ میں ہم پاکستان سے افغانستان کی فتح خرید لیں' کیونکہ امریکی فوجی مرنا نہیں جانتے اور جنگ جان کا رسک لیے بغیر لڑی نہیں جاسکتی۔ امریکہ کی افغانستان میں مدد کے حوالہ سے پاکستانی فوج کی پیٹھ دیوار سے لگ چکی ہے۔ اس خوفناک پالیسی کی وجہ سے پاکستان کے درودیوار اپنے شہریوں کے خون سے سرخ ہو رہے ہیں' لیکن امریکہ پھر بھی مطمئن نہیں اور وہ اس نافرمانی پر غضبناک ہو رہا ہے۔ امداد بند کرنے کی دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ پاکستانی علاقوں پر ڈرون حملوں کی بارش ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ISI جس نے CIA کو افغانستان میں کارروائیوں میں بھرپور مدد کی اُسے لعن طعن کی جارہی ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق ISI کو دہشت گرد تنظیم قرار دے دیا گیا ہے۔ اب ISI کے پاس یہ کہنے کے سوا کیا رہ گیا ہے کہ ؏

لو وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہیں
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں!

بہرحال امریکہ کے ترکش میں ابھی کافی تیر موجود ہیں۔ وہ ریاستی اور ذاتی سطح پر لالچ بھی دے گا' بہت بڑے بڑے لالچ۔ وہ پتھر کے دور میں پہنچا دینے کی دھمکیاں بھی دے گا۔ ہم اپنے حکمرانوں خصوصاً عسکری قیادت کو صاف کہے دیتے ہیں کہ اب اگر ہمارے قدم ڈگمگائے' اب اگر ہم نے خوف اور پسپائی کو بطور پالیسی اپنایا تو ہماری مکمل تباہی نوشتۂ دیوار ہے۔ ہم کئی بار امریکیوں کے ہاتھوں ڈسے جاچکے ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں جب چین بھارت کی سرحدی جھڑپ ہوئی تھی' ۱۹۶۵ء میں جب پاکستان بھارت جنگ ہوئی تھی اور ۱۹۷۱ء میں جب پاکستان دولخت ہوا تھا' جب سوویت یونین کی شکست و ریخت کے بعد وہ ہمیں اور مجاہدین کو چھوڑ کر یوں غائب ہو گیا تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ جب پاکستان نے ایٹمی تجربہ کیا تھا۔ جب کارگل میں ہم بھارتیوں کو ناکوں چنے چبوا رہے تھے تو امریکہ نے سیٹلائیٹ کے ذریعے بھارتی فوجیوں کی مدد کر کے ہماری فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا تھا۔ کس کس زخم کو چاٹیں' کس کس بےوفائی کو یاد کریں؟ اس کے سوا کوئی حل نہیں کہ اپنے اللہ پر بھروسہ کریں' اپنے دین کی طرف لوٹیں۔ قرآن اور سُنّت پر مبنی نظام کو قائم کر کے خود ایک سپر پاور بن جائیں۔ وگرنہ امریکہ ہمیں فٹ بال بنائے رکھے گا' تاوقتیکہ ہم اپنی کرتوتوں کی سزا پر نیست ونابود ہو جائیں۔

❁❁❁